



QUP—391—29-4-72 10,000.

**P. G.**

804

**OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No. 1915d33 Accession No. 21574

Author

عبدالله بن مسعود

Title

الحديث في فضائل النبي صلى الله عليه وآله وسلم

This book should be returned on or before the date last marked below.



# غیب خان

ایک

رہنما اور نتیجہ خیز اخلاقی ناول

مصنف

مولانا مولوی محمد عبدالکلیم صاحب شرایط و دگداز  
جو

سال ۱۹۱۷ء کے خریداران دگداز کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا گیا

اور

باہتمام محمد ساروق مینجر دگداز

سال ۱۹۱۷ء میں

دگداز پریس لکھنؤ واقع کٹروہ بزن بیگ خان میں

چھپ کے شائع ہوا



# تصانیف شتر کے لئے لائبریری ایڈیشن

نفیس مزج اور فیاض قد انسان علیہ السلام کی شیعہ اور زانی کتابیں بڑے اہتمام کے ساتھ وراثت و روشنی  
مسطورہ و عمدہ ولایتی پبلکنے کاغذ پر چھاپی جاتی ہیں جنکی نفاست دیکھنے کے قابل ہو اس سلسلہ طبع کا نام لائبریری ایڈیشن  
رکھا گیا ہے اس میں ناول بھی ہیں اور انجلی درجہ کی تاریکین بھی جو حضرات پہلے سے اجازت دے دیتے ہیں ان کا نام لائبریری  
ایڈیشن کے رجسٹر میں درج کر لیا جاتا ہے اور تیار ہوتے ہی ہفتہ عشرہ پہلے اطلاع کا رڈ بھیج کے بلا انتظار جواب دی جاتی ہے یہی  
باتی ہیں۔ پبلکنے ہونے کے خیردادوں سے اصل قیمت پر فیصلہ اہل کے حساب سے دھما کر لیا جاتا ہے۔ اگر علمی مذاہب کی  
مرتبہ گری منظور ہو تو نو لائبریری ایڈیشن کے رجسٹر میں آجنا نام درج کر لیتے۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتابیں موجود ہیں۔  
نمبر ۱۱۱ انفسانہ تعلیمیں۔ بیٹوں عامہ کی لافٹ جو از سر نو مکمل کی گئی ہے قیمت .....  
نمبر ۱۱۲ قیس و لیلی۔ شہر عاشق و حبیب سے بہ نوح عذری اور انکی مشقہ فنی کے حالات کو ایک نہایت  
اور دلچسپ دل کا بیان ہے یا گیا ہے۔ آئین یہ خاص بات ہے کہ یہ ایک پڑھو گنداز ناول ہے۔ اور یہی سچی  
سوانح عمری۔ قیمت فی کتب .....  
نمبر ۱۱۳ حسن بن بلال۔ باقی وقت اہلیہ کے حالات زندگی۔ انکی تعلیمیں اسکا علم و فضل اور اس کے سرکشتہ قتالی  
خوچون کے مذہب کی سببیت اسی کتاب سے معلوم ہو سکتی ہے۔ قیمت فی جلد .....  
اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل کتابیں زیر طبع ہیں جو سلسلہ میں مکمل ہو جائیں گی۔

حصہ قدیم۔ ایک نیت ہی مکمل اور دلچسپی ہونی اور کچھ جس میں حضرت رسالت صلم سے پیشتر کی تمام قوموں سرسریوں  
مصریوں۔ اہل بیت۔ والوں۔ ایرانیوں۔ یونانیوں۔ مقدونیہ والوں۔ رومیوں۔ ساسانیوں۔ ہلبیوں  
وغیرہ کے اہلی حالات ایسی خوبی سے لکھے گئے ہیں کہ ایک نظر دیکھ لینے سے ساری دنیا کی تاریخ پر اجمالی  
نظر پڑ جاتی ہے۔ یہ کتاب اسلامی مدارس میں تاریخ کی حیثیت سے سلسلہ درس میں داخل کرنے کے  
قابل ہے۔ قیمت .....  
برقیہ۔ ہمدان و کاکا ایک سیر ناول حسین بنی اسرائیل کی معاشرت و تاریخ کے سلسلہ میں رومیوں کے  
باتھ بے بیت اللہ اس اور یہود کی تباہی و یامالی دکھائی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی کمزور ناشائستہ  
قوم اپنی بڑی سلطنت سے بغاوت کرے اور ناقابلیت کے ساتھ آزادی پائے تو اسکا کیا انجام ہوتا ہے۔ یہ  
امام ابو الحسن اشعری (سلسلہ شاہراہ سلام) امام مدوح کی سیرہ آپ کا مذہب و آپ کا فلسفہ عقائد  
بے دینی رویداد کی اور الامور و مضامین کی فتح۔ فی جلد .....  
خلو و خلو و خلو اس پرانے رجسٹر تاریخ ناول کا جسے مسلمانان ہند نے پند فرمایا ہے نا لائبریری ایڈیشن۔ یہ  
تاریخ بغداد۔ اس کے نہایت ناقص و ناتمام نسخہ بازار میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اب اسے از سر نو مکمل و مرتب  
کر کے اور گویا نئے سرے سے تصنیف کر کے لائبریری ایڈیشن تیار کیا جاتا ہے۔ قیمت فی جلد .....  
قدردانان و گنداز کو اس سلسلہ کی سرگرمی سے مرتبہ گری کرنی چاہیے۔

المکتس۔ محمد فاروق منیر و گنداز۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پہلا باب

خود کردہ را در مانے نیت

مرزا سعاد اگرچہ ایک نہایت ہی مذہب خاندان میں پیدا ہوئے۔ اور اسے درجہ کی تعلیم پائی تھی مگر کوئی ایسی خیالی اور دھنی طبیعت واقع ہوئی تھی کہ بجائے اس کے کہ کوئی عملی پیشہ یا کونکر کر کے دنیوی عروج حاصل کرتے شاعری کے لیے زیادہ موزوں تھے۔ ہر وقت ایک سوچ میں پڑے رہتے۔ اور معلوم ہوتا کہ جب کوئی بڑی فکر دامگیر ہے۔ خیالی عالم کی سرگرداں محاکم و محکب مشغلہ تھا۔ اور خیالی عمارتیں بنانا کے منہم کرتے رہنے میں اُن کو بڑا مزہ آتا تھا۔ کوئی بات کہہ دیکھے پھر دیکھے کہ اُس کے متعلق وہ کیسے کیسے خیالات پیدا کر لیتے ہیں کیسی بال کی کمال نکالتے ہیں۔ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی شاعرانہ تشبہیں اور نہایت ہی نازک استعارات وہ بڑی بے تحلفی کے ساتھ ڈھونڈ لیتے کیونکہ خیال آفرینی کے بادشاہ تھے۔ مگر علمی دنیا میں دیکھے تو معمولی لوگوں سے بھی پیچھے اور تمدن و معاشرت کے لحاظ سے بہت ہی ناقص۔ خلاصہ یہ کہ خدا کے پاس سے وہ ایک اعلیٰ درجہ کی شاعرانہ طبیعت لے کے آئے تھے۔ اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ تعلیم ابھی پائی لیکن وہ اصلی مزاج اور نظرت کو بھلا کیا بدل سکتی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا معمولی انسانی جسم میں اُن کو مادے کے مقابل روح زیادہ دے دی گئی ہے جس کا رُجان اکثر اُن ہی باتوں کی طرف رہتا ہے جنکو معاملات اور کاموں سے باہر ہونا سے علاقہ نہیں۔ بروہ عقوف کی طرف توجہ کرتے تو شاید ایک بہت بڑے باکمال صاحبِ علم صوفی صافی ثابت ہوتے۔ یا شاعری کی دنیا میں آتے تو یقیناً یقین ہے کہ اُن مشہور و معروف شعرا میں شمار کیے جاتے جو مختلف قوموں کے سرہانہ ناز ہوئے ہیں۔

مگر قریب قریب سے ان باپنے اُنھیں نہ صوفی صافی مشرب بننے دیا اور نہ شاعر مسمیٰ آفرین۔ بلکہ زمانے کے عام رُجان کے مطابق اُنھیں یونیورسٹی کے نصاب کی تعلیم دی جس کے استخوانوں

میں کئی بار فیل ہو کے انھوں نے بی۔ اے۔ کی ڈگری تو حاصل کر لی مگر قانون میں کسی طرح دل نہیں لگتا۔ جسکی نسبت والدین اور تمام بزرگوں کا اصرار ہے کہ دو سال اور محنت اٹھائے اور ال۔ بی۔ کی سند حاصل کر لو۔ اور وکالت کا پیشہ اختیار کر دو۔

چونکہ یہ کسب معیشت کی تعلیم تھی اور ان کا اس میں دل نہ لگتا تھا۔ لہذا مان باپ کی اسے قرار پائی کہ شادی کر کے سر پر دنیا کا بار بھی ڈال دیں تاکہ انھیں معاش کی فکر ہو۔ مگر یہاں تو شادی کی فکر میں ہو رہی تھیں وہاں مرزا سعد کی یہ حالت تھی کہ اپنی شاعرانہ طبیعت کی بدولت ان دوستوں ہی سے زیادہ ملتے جوستے عشق کے جھگڑوں میں رہتے۔ اور جن کی آمد و رفت حسن و نشان بازاری میں رہا کرتی تھی کوئی بیکاری کا خیال یا نذرانہ شرفی کا تو انھیں ان بازاری عورتوں میں نہیں لے جاتا تھا۔ بلکہ جیسا ہم کہ چکے ہیں مناسیہ کہ ان کا دل شاعرانہ طبع آزمائی یا خیال آفرینی کی غرض سے اکثر کسی عارض تا بان یا زلفت شبگون کو ڈھونڈتا رہتا تھا جن دوستوں کے ساتھ وہ ایسی صحبتوں میں جاتے ان کو ان سے زیادہ بے ضرورت شاید دنیا میں نہ نصیب ہو سکتا۔ کیونکہ خاندانی پاکدامنی نے انھیں حد شرافت و تہذیب سے باہر نکال کے کبھی بیکاری میں مبتلا نہیں ہونے دیا۔ اور جب کسی کو ان سے کسی قسم کی رقابت کا اندیشہ نہ تھا تو پھر عیش پسند لوگوں کے لیے اپنی صحبت عیش میں ان سے زیادہ ہتھیار و اخلاص انیس و محرم راز کوئی نہ تھا۔

جن نازک اندام دہری جمال زنان بازاری میں انکی آمد و رفت تھی وہ بھی ان کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتیں۔ اس لیے کہ عاشقانہ جذبات کے لحاظ سے دیکھتیں تو ان کو سب سے زیادہ پرورش پاتین اشعار انھیں سب سے زیادہ یاد تھے۔ بذلہ سنجی و لطیفہ گوئی میں ان کا جواب نہ تھا۔ غرض انکی ہر ادا اور ہر بات میں انھیں ایک شان عاشقی نظر آتی۔ مگر جب اپنے ناز و انداز کی کمندیں ڈال کے انھیں پھانسا چاہتیں تو ان پر مطلق اثر نہ ہوتا۔ انکی اس رکاوٹ و پگڈنڈی نے بعض نہایت ہی حسین عورتوں کو ان کا مقصود بھی بنا دیا۔ اور انھوں نے گوان کے امیر عشق کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا مگر انکی حالت ہمیشہ اُس وحشی ہرن کی سی رہی جس پر کوئی پاب ہے کسی ہی ہوشیار سے کمنڈ پھینکے مگر وہ اپنا سر بچا کے الگ جا کھڑا ہو۔ نہ تو یہ ہی ہوا کہ یہ ان کے پھندے میں پھنس گئے ہوں۔ اور نہ یہ کہ ان کے یہ بڑے ارادے دیکھ کے ان کی صحبت ترک کر دی ہو۔

مرزا مسعود کی یہ ایسی انوکھی وضع تھی اور اس بارہ خاص میں انھوں نے ایسا عجیب و غریب استقلال دکھایا تھا کہ اگر بعض عورتیں اُن کے شوق میں دیوانی ہو رہی تھیں تو تمام بارہ کی عورتوں میں اُن کی وضع قدر کی کشتہ تھا۔ جس سے اُن کو یہ فائدہ ہوا کہ بغیر اس کے کہ ایک پسہ بھی خرچ کریں جس صحبت میں جاتے انھوں پر بھالے جاتے۔ اور ہر جگہ قدر ہوتی لیکن بڑی صحبت کچھ نہ کچھ اثر ڈالتی ہی ہے۔ انھیں عورتوں میں ایک کے حسن و جمال کا اثر اُن پر بڑی گہرا دکھائی دے گا کہ اور ان کی طرح نظر سے دیکھ کر اسے ایک آنکھوں کی کھڑکیوں میں سے گھنٹس کے اُن کے دل میں جا بیٹھی اور لگی کھینچنے۔ گو انھوں نے دامن استقلال کو نہ چھوڑا اور بحال کیا کہ یہی ہر اُن کے قدیم کو ذرا بھی لغزش ہو کر دل کو کیا کرتے؟ جب میں وہ نازنین بس گئی۔ اور ہر وقت طبیعت چمکان لیا کرتی تھی۔ اُس کے خیال کو یہ بھلاتے۔ مگر وہ بار بار دل میں ہو کے دے کے اپنی یاد تازہ کر دیتی۔ اور یہ یحییٰ ہو جاتے۔

شدہ شدہ والدین کو خبر ہوئی کہ مسعود ایسی ناپاک صحبتوں میں جانے لگا۔ اور بہت کچھ غور و تامل کے بعد ہمارے خاندان کی یہ اسے قرار پائی کہ فوراً اس کی شادی کر دی جائے۔ لڑکا لافٹ تھا۔ اور نو عمر۔ کیونکہ عوامی ایس سال سے زیادہ نہ تھی۔ جیسے کس ہونہار لڑکوں کی فی الحال اکثر خاندانوں میں کی ہے۔ اور زمانہ اُن کے ایسا لگتا ہے کہ اگر مناسب نہ تھے تعلیم نہ تو ہر قسم کے اختلاقی عیوب سے جان بوجھ کے چشم پوشی کی جاتی ہے۔ بہت ہی جلد ایک شریف و عزیز خاندان میں نسبت ٹھہری اور چٹ منگنی پٹ سیاہ کی مثل پوری پوری عداوت آگئی۔ یعنی ایک ہی جیسے کے اندر اندر بانجھا۔ سا بختی۔ ممدی۔ اور شادی۔ اور جملہ مراحل و منازل نکاح طے ہو گئے۔

خود مرزا مسعود اپنی تعلیم اور نیز اپنی شاعرانہ طبیعت کے لحاظ سے شادی کو اپنے حق میں مفید نہیں خیال کرتے تھے۔ اور اگر اُن سے مشورہ کیا جاتا تو یقیناً انکار ہی کر دیتے۔ مگر ہندوستان میں لڑکوں یا لڑکیوں کو اپنی شادی کے بارے میں دخل ہی کیا؟ اور اُن سے یہ بوجھتا ہی کون ہے۔ اور بالفرض اگر بچیاں لڑکے وہ اپنی ناراضی کبھی ہر بھی کر دیں تو اُن کی سنسٹا کون ہے۔ کیونکہ ایسے معاملات میں عموماً اُن کی رائیں غیر قابل لحاظ سمجھی جاتی ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بہت غنیمت ہے کہ نو عمر وں اور خصوص ہندوستان کے نوجوانوں میں اخلاقی جرات اس قدر کم ہے کہ نہیں نہیں کرنے پر بھی اُن کے ساتھ بھگدڑا کرنا جو کچھ کر دیا

جائے اُسے گوارا کر کے بنادیتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی معاملہ مرزا مسعود کی شادی میں پیش آیا۔ دل میں شادی کے خلاف اور تباہی سے قطعاً متنفر تھے جس کسی دوست سے تذکرہ آیا ہی کیا کہ ”بجے نہیں منگھور۔“ شادی اسیری ہے۔ اور میں آزاد رہنا چاہتا ہوں۔“ مگر جسوقت باپ نے دو لہا بنا کے بٹھا دیا۔ اور قاضی صاحب نے آکے پوچھا کہ ”مرزا محسن کی بیٹی عفتؔ را کے ساتھ تمہارا عقد نکاح ایک لاکھ اشرفیوں کے در پر کیا جاتا ہے تعین قبول ہے؟“ اُسوقت منین کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ منہ سے یہی نکلا کہ ”جی ہاں قبول ہے۔“

مرزا مسعود کی شادی اگرچہ گھر سے بہت دور ہوئی مگر بہت اچھی جگہ ہوئی۔ کیونکہ اُن کے خسر مرزا محسن اکبر آباداگرے کے خاندانی رُوسا میں سے تھے۔ لاکھوں روپیہ کا توال کتے تھے۔ اور اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کو تعلیم بھی بہت اچھی دی تھی۔ اگرچہ عفتؔ آرا کو اُنھوں نے کبھی کسی زمانے میں نہ دیکھا تھا۔ مگر گھر ہی میں لائق اُستادانِ نوکر رکھ کے اور ایک قابل یورپین لیڈی کو تعلیم و تربیت پر مامور کر کے خوب تعلیم دی تھی۔ اور نہایت ہی خائستہ مہذب اور سچے دار لڑکی بنادیا تھا۔

الغرض مرزا مسعود کی شادی ہو گئی۔ اور اب وہ یکدم مین بڑے ہوئے ہیں کہ ”دیکھو اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ میری اخلاقی کمزوری نے مجھے زندگی بھر کے لیے گرفتار کر لیا۔ اب تو پورا بلیبل اسیر ہوں۔ بُرا چنسا؟ خیال جس کے عالم میں ٹھوکرین کھاتے پھرنے کے وہ مدت سے عادی ہیں ہزار ہا قسم کے خطرات اور صدماتِ طرح کے اندیشے اُن کے سامنے لاکے پیش کرتا ہے۔ اور اُنھیں نظر آ رہا ہے کہ وہ ایک ایسی آفت میں پھنس گئے جس سے چٹکھلا حال ہے۔ اوہام ڈرا رہے ہیں کہ اب یہ ہوگا۔ اور یہ ہوگا۔ یہ خرابیاں پیش آئیں گی۔ اور اِن آفتوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور سب کے آخر میں تھکامار اول بھی جواب دیتا ہے کہ ”اب توجہ ہونا تھا ہوا۔“

ساتھ ہی اُس دلربا کا خیال آیا جو اُن کے دل پر قبضہ کیے ہوئے تھی۔ یہ ایک آفت زمانہ شاہد بزاری تھی جس کا نام فیروزہ تھا۔ مرزا مسعود اسکی سحر آفرین آنکھوں پر لوٹ تھے اور دل و جان سے عاشق۔ اسکی خیالی صورت آنکھوں کے سامنے آئی اور بولی ”کیون؟“ وعدہ کس کا اور پورا کس کے ساتھ ہوا؟ دل کس کی پرستش کرتا ہے اور بھدے میں کس کے آگے پڑے ہو؟“

خیالی تھیں مگر یہ سب دیکھتے ہی چونک پڑے۔ گھر کے کلیجہ ہاتھوں سے تھام لیا۔ اور دل ہی دل میں کہا: یہ سب تو کتنی ہے مجھے تو شک ہے کہ میرا یہ نکاح ہو بھی یا نہیں جب میرا دل ایک ماہوش کے رخِ زیبا کا دیوانہ ہو رہا ہے تو مجھے اس کا حق ہی کب حاصل تھا کہ دوسری کے ساتھ عقد کو قبول کروں۔ اور یہ دل جو ایک کا ہو چکا ہے اُسے دوسری کو دل نہ کیا دل کوئی ایسی چیز ہے جسے انسان اپنے اختیار سے جس کسی کو چاہے دے دے ہرگز نہیں بچھریہ عقد کیا ہے اور بالفرض ظاہر میں ہو بھی گیا تو ہوا کیونکر؟ مگر افسوس! خود کردہ را در مانے نیست

## دوسرا باب

اتالیق ہوئی

مرزا مسعود کے دل میں اگرچہ اس قسم کے خیالات پریشان کا هجوم ہے نکاح پر حد سے زیادہ چھپتا رہے ہیں۔ مگر اسی اخلاقی کمزوری کی بدولت جس نے نکاح میں ہونے کا بھی بھر دئی تھی دیکر رسوم شادی کے متعلق بھی جو کچھ ہوتا ہے ہوئے جاتا ہے۔ عقد تو ہو ہی چکا۔ اب دو لہن کو گھر میں بیاہ لائے۔ پھر دو لہن کے ساتھ سُسرال گئے۔ اور چوتھی کے رسوم بجالائے گئے۔ زنانے میں عورتوں نے چھیڑا۔ بنایا۔ ستایا۔ دلگیاں کیں۔ پھتیاں کیں۔ ان سب باتوں کو بھی گوارا کیا۔ دو لہن سے مل کے خوش بھی ہوئے کیونکہ نیک سنگ سے درست ہی نہیں حسینہ و جمیلہ۔ ذہین۔ و طابع۔ اور بہت ہی سمجھ دار اور قہر دار ہے۔ مگر وہ خوشی گھڑی بھر کے لیے تھی۔ بی فیروزہ یاد آئیں اور فکر میں پڑ گئے۔ اور یہ حالت ہے کہ عفت آرا کی صورت دیکھ رہی ہے اور بی فیروزہ جان کے رخِ زیبا پر نظر باز یاں کر رہے ہیں جب دیکھیے دریاے فکر میں غوطہ زن ہیں۔ دو لہن ایک غیر معمولی درجہ کی متین و شائستہ۔ اور صاحب عقل و ہوش لڑکی تھی وہ بغیر اس کے کہ انکی اس حالت پر نظر حیرت کرے۔ یا اس کے خشم و جبین سے کسی طرح کے آثار ناراضی ظاہر ہوں کئی دن تک خاموشی کے ساتھ دو لہا کی طبیعت و حالت کا اندازہ کرتی رہی۔ اور دل ہی دل میں سوچتی تھی کہ یہ کیا بات ہے جو میان ہر وقت ایک فکر میں رہا کرتے ہیں۔ آخر انھیں

سوچ کس بات کا ہے ؟

اس حالت کو دس پندرہ روز گزر گئے۔ مرزا مسعود تو اسی طرح کبھی دریا سے نکل  
میں غرق رہتے ہیں اور کبھی ذرا بنشاش۔ اور عفت آرا کی یہ حالت ہے کہ جیسے اپنی جستجو  
میں کسی قدر کامیاب ہوئی ہے۔ اور اسی کی وجہ سے کسی وقت یریشان ہوتی ہے اور  
کسی وقت بنشاش۔ ایک صبح کو سوتے سوتے مرزا مسعود کی آنکھ کھلی تو ایک جمائی لی۔ کھین  
ملنے ہوئے اٹھ بیٹھے اور دو دھن سے کہا "ایک گھوری تو بنا دینا"

عفت آرا "اسے تو نہ منہ دھویا نہ گلی کی اور پاؤں کھا لو گے ؟"

مسعود "ہاں اٹھا ہوں۔ تم گھوری تو بناؤ"

عفت آرا "بنائے کو تو بنا ہی دو گئی۔ مگر ایک شرط ہے ؟"

مرزا مسعود نے دو وطن کی زبان سے پہلے پہل اس قسم کا فقرہ سنا تھا حیرت سے  
اس کی طرف دیکھا اور کہا "کون سی شرط ؟"

عفت آرا "پہلے اقرار کر دو کہ جو کچھ پوچھوں گی تباہ و سگے"

مسعود۔ (ذرا تامل کے بعد) "ہاں معلوم ہو گا تو تباہ و سگے"

عفت آرا "توین پوچھتی ہوں یہ بی فیروزہ کون ہیں جن کی تمہیں بروقت فکر رہا  
کرتی ہے ؟"

بی بی کی زبان سے فیروزہ کا نام سنتے ہی مرزا مسعود پہلے توچ نکلا پھر سے اور

پھر بہوت وحیرت زدہ رہ گئے۔ کئی منٹ تک خوف زدگی کی نگاہوں سے دو وطن

کی صورت دیکھتے رہے۔ اور آخر بڑی دشواریوں اور زبردستیوں سے جو اس

درست کر کے بولے "گر سچ بتاؤ کہ تمہیں یہ کیوں مکر معلوم ہوا ؟"

عفت آرا "خود تم سے۔ تمہاری صورت سے۔ تمہاری وضع و حال سے"

علا کہیں ایسی باتیں چھپائے سے چھپتی ہیں ؟"

مسعود "انا کہ میری پریشانی و فکر مندی سے تمہیں اسکی خبر ہو گئی کہ مجھے کسی کا

نیال رہتا ہے۔ مگر تمہیں فیروزہ کا نام کیوں مکر معلوم ہوا ؟"

عفت آرا "یہ ایک راز ہے جسے نہ میں بتاؤں گی۔ اور نہ میرے تباہی

سے تمہاری سمجھ میں آئے گا۔ تم یوں سمجھو کہ میری ایک مسلمان اُستانی نے مجھے ایک

ایسا عمل تبادیا ہے جس کے ذریعہ سے میں کبھی کبھی ایسی باتیں معلوم کر لیا کرتی ہوں؛  
مرزا مسعود نے اگرچہ نیم نئی پائی تھی مگر خاندانی اثر اور اپنی طبعی روحانیت کی بدولت  
مذاق پُرانا تھا۔ مسعود کے قابل تھے۔ اور اس میں شک نہ تھا کہ بعض ایسے روحانی لوگ  
ہوا کرتے ہیں جو انسانوں کے تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو غیب  
کی باتیں معلوم ہو جایا کرتی ہیں۔ یا وہ غیر ملک کی چیزیں اور بے موسم کے میوے منگوادیا  
کرتے ہیں۔ یقین آگیا کہ عفت آرا کو کوئی نہ کوئی علوی یا سفلی عمل ضرور معلوم ہے۔ اس خیال کا  
یہ نتیجہ ہوا کہ مجھے اس کے کہ نئی دولہن سے مانوس ہوں اور اس کی محبت دل میں جگہ  
کرے۔ اس سے دُرنے اور وحشت کھانے لگے۔

اب وہ سہمگین آنکھوں سے عفت آرا کی صورت دیکھ رہے تھے کہ اس نے کہا تم  
نے بتایا نہیں کہ یہ بی فیروزہ کون ہیں؟ اور تم سے ان سے کیا تعلق ہے؟  
مسعود نے جب تھیں خود ہی معلوم ہو گیا تو مجھے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ اصل یہ ہے  
کہ میں اپنے بعض احباب کے ساتھ کئی زنیوں کے پاس آیا جایا کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ  
یہ بھی کہہ دوں کہ مجھے کسی عورت سے کئی شہ کا باخاطر تعلق نہیں۔ اور نہ میں آج تک  
کبھی زنا کار ہی میں مبتلا ہوا ہوں۔ لیکن محض نفقہ طبع کے لیے اکثر ایسی سمجھوتوں میں پھلا  
جاتا ہوں۔ انھیں عورتوں میں سے ایک حسینہ کا نام فیروزہ ہے جس کی طرف میرا  
دل مائل ہو گیا ہے۔ اور اکثر اوقات اُسکی صورت میرے پیش نظر رہتی ہے۔ مگر  
میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ آج تک میرے دامن میں نہ کہ رتی کا دھبہ نہیں لگا۔ اور  
سوا اس کے کہ پر شوق آنکھوں سے اُسکی صورت زیادہ دیکھ لی ہوا اور کسی بات  
کا گنگنا نہیں۔

**عفت آرا** یہ بان مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے دوست محمود علی اور حامد حسین کے ساتھ  
فیروزہ کے وہاں جایا کرتے ہو۔ اور خود تم کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ جواب سن کر مرزا مسعود کے رہے سے حواس اور جاتے رہے۔ اور گھبرا  
گھبرا کے نئی بی بی دولہن کی بھولی صورت دیکھ رہے تھے کہ عفت آرا نے خود ہی سنا کہ  
بندھانے کی کوشش شروع کی۔ اور کہا میں خوش ہوں کہ تم نے مجھ سے سچ سچ کہا۔  
اور اسکے ساتھ یہ بھی کہے دیتی ہوں کہ مجھے کسی بات کا کمال نہیں۔ سب عورتوں کا طریق



ہے کہ ایسی باتیں سن کے بگڑ جاتی ہیں۔ اور اُنکے دل میں حسد اور جلایے کی آگ بجھ کر اٹھتی ہے۔ مگر میں اور مزاج کی عورت ہوں۔ اور تم سے سچ کہتی ہوں کہ تمہاری اس راست بیانی اور سادہ مزاجی سے میں بلا متاعوش ہوئی اور تمہاری محبت میرے دل میں ایک کی جگہ دس گنی ہو گئی۔

یہ الفاظ سن کے جن سے ناصحانہ اطمینان ظاہر ہوتا تھا مرزا مسعود نے دل میں کہا ”مجھے تو عجیب و غریب بی بی ملی جو دلی کامل ہونے کے ساتھ ناصح مشفق بھی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ بنا کیونکر ہوگا۔ کیونکہ یہ بیوی کا ہے کو میری اتالیق ٹھہرین۔ اور اتالیق بھی وہ جو غیب کی باتیں جان جاتا ہو۔ اور جسکی صورت دیکھ کے در معلوم ہو۔“

اُدھر حضرت آرا نے پیش خدمت کو آواز دی کہ سلیف آفتاب لکے منہ و حلاوت اور خود پاندان کھول کے گوری بنا لے لی۔ مرزا مسعود نے منہ دھویا۔ اور تولیا سے منہ پونچھتے ہوئے کہا ”آخر تمہیں غیب کی باتیں کیونکر معلوم ہوتی ہیں؟ یہ کوئی فال کا طریقہ ہے یا کوئی موکل کا کار قبضہ میں ہے؟“

حضرت آرا۔ (سکرا کے) ”ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔ تم اُسے موکل ہی سمجھ لو۔ مگر مجھے اُس موکل سے بڑی محبت ہے۔“

مرزا مسعود ”تم جادو تو نہیں کرتیں؟“

حضرت آرا ”نہیں تو یہ۔ بھلا جادو مسلمان کا کام ہے؟“

مرزا مسعود ”جو جادو نہیں ہے تو یہ عمل مجھے بھی بتا دو؟“

حضرت آرا ”میں تو بڑی خوشی سے بتا دیتی۔ اور تم سے بڑھ کے کون تھا جسے بتاؤ؟“

مگر اس میں پرہیز ایسا ہے کہ سوا عورتوں کے مردوں سے ہو ہی نہیں سکتا۔“

مرزا مسعود ”وہ کون سا پرہیز ہے جو مردوں سے نہیں ہو سکتا؟“

حضرت آرا ”اب تم سے یہ ہوگا کہ عورتوں کی طرح گھر سے قدم باہر نہ نکالو، ہم عورتوں کا تو یہ کام ہی ہے۔ مگر مردوں سے تو یہ شاید کسی طرح نہ ہو سکے گا۔“

مرزا مسعود ”ہاں یہ تو غیر ممکن ہے۔ اچھا اس کے سوا اور بھی کسی بات کا پرہیز ہے؟“

حضرت آرا ”جب تم اس پہلی بات کی حامی نہیں بھر سکتے تو اور باتوں کے

پوچھنے سے حاصل ہے۔“

مرزا مسعود: ”میں نے مان لیا کہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ یا کم سے کم ابھی غیر ممکن ہے۔ مگر معلوم تو ہو جائے کہ اس کمال کے حاصل کرنے کے لیے کیا باتیں درکار ہیں؟ شاید میں کی شیدہ کسی زمانے میں اس کے سیکھنے کے قابل ہو جاؤں۔“

عفت آرا: ”دہنس کے“ ”تو تم کبھی پردے میں بھیہ سکو گے؟“

مرزا مسعود: ”ضرور کوشش کروں گا۔ بلکہ جان توڑ کے محنت کروں گا۔ میں نے معنی آدمی ہوں۔ اور جو کام کرنا چاہتا ہوں کر کے چھوڑتا ہوں۔ دس پانچ سال میں اتنا روپیہ پیدا کر لوں گا کہ اطمینان سے بیٹوں کے زندگی بھر کھا سکوں۔ اور گھر سے قدم باہر نکالنے کی ضرورت ہی نہ باقی رہے۔“

عفت آرا: ”حیرت سے“ ”اور اپنے سب دوستوں کو طلاق دے دو گے؟“

مرزا مسعود: ”یہ کون بڑی بات ہے؟“

عفت آرا: ”اور فیروزہ کو بھی؟“

مسعود: ”اُس کا خیال بھی بھولتے بھولتے بھول ہی جائے گا۔ مگر تم تو بتاؤ کہ اور کن کن باتوں سے پرہیز کرنے کی ضرورت ہے؟“

عفت: ”میں تم کو ایک اصول کی بات بتا دوں۔ عمل ایک روحانی چیز ہے۔ اس لیے چاہے وہ کسی قسم کا اور کوئی ہو اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب انسان اپنی روح کو قوی کرے۔ اور جسمانی خواہشوں کو مارے۔ ہر قسم کی اخلاقی بُرائیاں اُس کا اثر بطل کر دیتی ہیں۔ تم نے کسی بُرے کام کا ارادہ کیا۔ اور ساری محنت تشریف لے گئی۔ تم نے کسی عورت کو بُری نگاہ سے دیکھا اور گے گزرے ہوئے۔ کسی گناہ کا خیال تمہارے دل میں آیا اور جانو کہ تمہارا موکل تمہارے قبضہ سے باہر ہے۔ اسی وجہ سے عمل کی قابلیت مردوں کے مقابل عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔“

مسعود: ”جناب رسالت آپ صلعم نے تو یہ فرمایا تھا کہ دوزخ میں آپ نے زیادہ تر عورتوں ہی کو پایا۔ اور تم کہتی ہو کہ مرد عورتوں سے زیادہ گنہگار ہوتے ہیں۔“

عفت آرا: ”دہنس کے“ ”ہمارے حضرت سے پہلے ایسا ہی تھا۔ مگر اس حدیث کا یہ اثر ہوا کہ مرد تو بے خوف ہو کے ہر قسم کے گناہ کرنے لگے۔ اور عورتوں نے ڈر کے پر ہر گناہ

اختیار کر لی۔ ظہور اسلام کے بعد مجھے یقین ہے کہ دوزخ میں مرد عورتوں سے زیادہ جانے لگے ہوں گے۔

مرزا مسعود سے اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ ہنس پڑا اور خیف ہوس کے مذاق سے بولے "واللہ ماشاء ہون۔ تم نے بات خوب نکالی۔ اور یہ بالکل نیا اور اچھوتا خیال ہے۔ پھر ماننے کے طریقے سے کہنے لگے "اچھا میں تمام مشرطین بجا لاؤں اور ہر طرح کا پھنیر کر سکوں تب تو تم مجھے یہ عمل بتا دو گی؟" عفت آرا یہ فوراً۔ تمہارے لیے مجھے کسی بات میں غل نہ ہوگا۔ اور چاہے تعین یقین آئے یا نہ آئے مگر مجھے تمہارے لیے اپنی جان تک کھیا دینے میں دریغ نہ ہوگا۔ اس کے بعد مرزا مسعود ناشتہ کر کے باہر گئے۔ اور عفت آرا گھر گریہ ہستی کے کاموں میں مشغول ہو گئی۔

## تیسرا باب

دہشت زدہ شوہر

گھر سے نکلتے ہی مرزا مسعود نے اپنے دوست حاج حسین کے گھر کی راہ لی۔ مگر راستہ بھربھری کی غیب دانی کا خوف پیش نظر تھا۔ قدم اٹھاتے جاتے تھے اور دل میں آپ ہی آپ کہتے جاتے تھے "لوگ کہتے ہیں کہ شادی کے ہوتے ہی انسان کے پاؤں میں زنجیریں پڑ جاتی ہیں۔ مگر اس شادی نے جو زنجیریں میرے پاؤں میں ڈالی ہیں وہ تیری کی ہیں۔ کسی کو ایسی قید نہ نصیب ہوئی ہوگی جیسی کہ میری قسمت میں تھی۔ کہیں جاتا ہوں تو خوف لگا رہتا ہے کہ بی بی کو معلوم ہو جائے گا۔ کسی سے ملتا ہوں تو اس کا دھڑکا لگا رہتا ہے کہ گھر والی کو خبر ہو جائے گی۔ چودہ کا ہے کو کر اما کا تبین کی رپورٹ ہے؟" اسی طرح کی باتوں میں غلطان و بیجان حاج حسین کے گھر پہنچے۔ اور آواز دی حاج حسین آواز سننے ہی باہر نکل آئے۔ اور صورت دیکھتے ہی بولے "اٹھا! ابھی مسعودین؟ یہ کئی دن سے تھے کہاں؟ بی فیروزہ جان بھی کئی دفعہ پوچھ چکی ہیں شادی ہوتے ہی کیسا بھول گئے؟"

مسعود: ”کئی دن سے آنے کا قصد کر رہا تھا۔ مگر کیا کمون فرصت ہی نہیں ملی۔“  
 حامد حسین: ”فرصت! تمہیں کام ہی کون سا ہے؟ کیا اب رات دن ہر وقت بی بی  
 کے پاس بیٹھ لیتے ہو؟ شادی ان سب کی ہوتی ہے۔ مگر کسی کو تمہاری طرح جوڑو کا  
 مزہ ہو جاتے نہیں دیکھا۔“

مسعود: (ذرا غور و تردید کے بعد) ”میں آج کل عجیب پیغم میں پڑا ہوا ہوں۔“  
 حامد حسین: ”کیون؟“ خیریت تو ہے؟ مگر تم اپنی خلقت کو کیا کر دے؟ خدا نے کوئی اور  
 فکر نہیں دی ہے تو اپنے لیے آپ ہی فکر میں پیدا کر لیا کرتے ہو۔“

مسعود: ”تم کیا باتوں میں ان دنوں سخت فکروں میں مبتلا ہوں۔ کیا بتاؤں کہ مجھ پر  
 کیا گز رہی ہے۔ اور کسی مصیبت آن پڑی ہے۔ بس بعینہ جال میں پھنسا ہوا طائر  
 ہوں جو پھڑپھڑا پھڑپھڑا کے رہ جاتا ہے۔ اور کچھ زور نہیں چلا۔“

حامد حسین: ”آخر دشمنوں کو کون سی فکر ہے؟ خدا نے تمہیں بہت کچھ دیا ہے۔  
 بچوں کی فکر نہیں۔ جوڑو ہے تو اُس کے روٹی کپڑے کا بار بھی تمہارے سر نہیں۔  
 فقط امتحان کی فکر۔ مگر اُس کے لیے بھی کوئی جدی نہیں پڑی ہے۔ پھر کون سی فکر ہو سکتی ہے؟  
 مگر تمہاری عادت ہی پھر ایسی ہے کہ سو طرح کی فکر میں مول لے لیا کرتے ہو۔“

مسعود: ”تم اپنی ہی گائے جاتے ہو۔ تمہیں کیا خبر کہ میں کن جھگڑوں میں پھنسا  
 ہوا ہوں؟“

حامد حسین: ”آخر کچھ معلوم بھی تو ہو؟“

مسعود: ”مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ دوستوں سے ملنا چلنا درکنار اب میرا گھر سے  
 نکلنا بھی موقوف ہو چاہتا ہے۔ اور باہر نکلا بھی تو کیا۔ یہاں بھی اسیر دبا برنجیر ہوں  
 گویا قید خانہ میرے ساتھ ہے اور جہان جاتا ہوں ساتھ جاتا ہے۔“

حامد حسین: (توقف لگائے) ”خوب۔“ تو یہ کچھ کہ سلیم صاحب نے منا ہی کر دی ہے۔  
 اور یہاں بھی انکی ہیبت دل پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ایک غلط کے لیے  
 بھی آپ اُن کے پہلو سے جدا ہوں۔ یا اپنے کسی پرانے دوست سے ملیں۔ ہاں  
 صاحب۔ کیون نہ ہو۔ اب اُن کی حکومت ہے۔ جسے حکم چاہن جاری کر لیں۔“

مسعود: ”میں جھوٹ نہ کہوں گا۔ اُنھوں نے نہ باہر نکلنے کو منع کیا ہے۔ اور نہ کہیں

آنے جانے سے روکتی ہیں۔ مگر پھر بھی کوئی ایسی بات ہے کہ خود بخود میرے پاؤں میں  
بٹیریاں پڑی ہوئی ہیں اور ایسی بٹیریاں جو نہ توڑے تو ہستی ہیں۔ اور نہ کاٹے کٹتی ہیں۔  
حامد حسینؒ: ”آخر کیوں؟ کچھ بتاؤ گے بھی؟“

مسعودؒ: ”کیا کہوں؟ وہ کہنے کی بات ہی نہیں ہے۔ مگر مجھ سے تو چھپاتے بھی نہیں ہنسی۔  
یہ سچ ہے کہ مجھے اُن سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔“

حامد حسینؒ: ”(بڑی زور سے ہنس کے) ”کس سے؟ جوڑو سے! ماشاء اللہ!۔ شاید  
تم نے مزے میں آکے اپنی سب باتیں اُن سے کہ دی ہوں گی۔ اور اب وہ ہلکیاں  
دیتی ہوں گی کہ تم نے ذرا بھی چون کی اور میں نے تمہارا کچا چٹھا کھول دیا؟ کیوں ہے  
نہ؟“

مسعودؒ: ”یہ بھی نہیں۔ مجھ سے قسم لے لو جو میں نے کبھی ایک حرف بھی اپنی زبان  
سے نکالا ہو۔ لیکن جب اُنھیں بے بتائے خبر ہو جائے تو کیا کروں؟“

حامد حسینؒ: ”بے بتائے خبر ہو جانے کی ایک ہی ہوتی۔ اس قدر لکھ پڑھ کے اور  
دنیا کا اتنا تجربہ اُٹھانے کے بعد تم ایسی بات زبان سے نکالتے ہو! اُن کا کوئی عزیز  
اگر نیندوں کی طرح تمہارے پیچھے لگا ہوگا۔ اور تمہاری سب باتوں کی اُنھیں خبر  
کر دیا کرتا ہوگا۔“

مسعودؒ: ”شاید مگر ظاہر میں تو ایسا کوئی شخص نہیں معلوم ہوتا۔“

حامد حسینؒ: ”اچھا مجھے بتاؤ تو سہی کہ تمہاری کون سی باتیں اُنھیں معلوم ہو گئیں؟“

مسعودؒ: ”حیرت کی تو یہ بات ہے کہ اُنھیں بعض ایسی باتوں کی اطلاع ہو گئی جن کی کسی

کو کانوں خبر نہیں۔ یہاں تک کہ تم بھی نہیں جانتے۔ اگر وہ اتنا ہی کہتیں کہ میں فیروزہ جان

کے یہاں جاتا ہوں۔ اور تمہارے اور محمود علی کے ساتھ جایا کرتا ہوں تو خیال کرتا کہ کسی

مخبری کی ہوگی۔ مگر اُنھیں تو دل کی حالت معلوم ہو گئی جس کو میں نے کبھی کسی پر ظاہر  
نہیں کیا تھا۔“

حامد حسینؒ: ”وہ کون سی بات ہے؟“

مسعودؒ: ”تم اسی قدر جانتے ہو گے کہ فیروزہ جان کو مجھ سے محبت ہے۔ وہ مجھے اپنے

دام میں پھانسا چاہتی ہیں۔ اور مجھے اُن سے کسی قسم کا اُفس نہیں۔ جتنا زیادہ وہ

نہجکتی ہیں اُسی قدر میں اپنی طرف کھینچتا ہوں۔ ہے کہ نہیں؟“  
**حامد حسین** ”بے بے شک ہے“

**مسعود** ”لیکن اسے کوئی نہیں جانتا کہ فیروزہ کی لہو اون کا میرے دل پر اثر پڑ گیا ہے۔ اور اُس سے بدرجہا زیادہ میں اُس پر فریفتہ ہوں۔ جب تنہا ہوتا ہوں اُس کا خیال پیش نظر رہتا ہے۔ اور اُسکی صورت زریبا پڑھنا لکھنا۔ اور دنیا کے سارے کاروبار بھلائے دیتی ہے۔ مگر میں نے دلی جوش کو آج تک ایسی وضعداری سے بنایا ہے کہ نہ خود فیروزہ کو محسوس ہونے پایا۔ اور نہ کسی دوست کو اس کا وہم و گمان بھی ہو سکا۔“

**حامد حسین** ”یہ تو تم نے آج ہی بتایا۔ واللہ مجھے اسکی خبر نہ تھی۔ میں تو یہی جانتا تھا کہ تمہارا جیسا برتاؤ اور سب پر روشن کساتھ رہا کیا دیا یہی فیروزہ کے ساتھ بھی ہے۔“  
**مسعود** ”میں معلوم کیے ہو سکتا تھا جب میں کتابھی۔ اپنی وضع و حالت سے کبھی بظاہر کیا ہوتا تو تم جانتے۔ میں نے تو کبھی اسکی چھان بھی نہیں آنے دی۔ مگر اب یہ حیرت کی بات ہے یہیں کہ بی بی کو اسکی خبر ہو گئی۔“

**حامد حسین** ”میں نہ مانوں گا۔ تمہاری زبان سے کوئی نہ کوئی لفظ نکل گیا ہو گا جس سے وہ پہچان گئی ہوں گی۔“

**مسعود** ”لفظ کیسا ایک حرف نہیں۔ اور فرض کرو کہ میری کسی وقت کی فکر سے ان کو اس کا شبہ ہو سکتا ہو کہ میرا دل کسی طرف مائل ہے۔ مگر انھیں تو بے بتائے یہ سب باتیں معلوم ہو گئیں کہ میں فیروزہ جان پر عاشق ہوں۔ اور تم دونوں دوستوں کے ساتھ اُس کے وہاں جاتا ہوں۔“

**حامد حسین** ”یہ تو میں ماننے سے رہا کہ تمہاری نئی اظہر وطن کو غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ سو اس کے نہیں کسی ذریعہ سے یہ سب باتیں ان کو معلوم ہو گئیں۔ عام طور پر کی طرح انھوں نے تم کو فیروزہ کا عاشق بتا دیا۔ اور تم اپنی سادگی سے سمجھ بیٹھے کہ انھیں۔“  
 کی خبر ہو جاتی ہے۔“

**مسعود** ”تم چاہتے مانو یا نہ مانو۔ مگر مجھے تو یقین ہے کہ انھیں غیب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور یہ حالت ہے کہ میں جاتا ہوں تو ڈر لگا رہتا ہے کہ ان کو معلوم ہو جائے گا۔ اور اس کے بارے میں جواب طلب کریں گی تو کیا کہوں گا؟“

حامد حسینؒ: ”بھئی میں تو نہ بانوں گا۔ اچھا فقط دو ایک باتوں کے معلوم ہو جانے سے کیا ہوتا ہے؟ ممکن ہے کہ کسی خفیہ ذریعہ سے اُن کو خبر ہو گئی ہو۔ ابھی انکی غیب دانی کو اچھی طرح آزماتو لو۔“

مسعودؒ: ”آزمودہ را آزمودن چل است۔“

حامد حسینؒ: ”خیر میری خاطر سے سہی۔ دیکھوں آج کی باتیں بھی اُن کو معلوم ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ چلو اسوقت فیروزہ جان کے وہاں چلیں۔ یقین ہے کہ محمود علی بھی وہیں ہوں گے۔“

مسعودؒ: ”چلو۔ مگر سچ کون؟ مجھے وہاں جاتے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ بی بی کو یقیناً خبر ہو جائے گی۔“

حامد حسینؒ: ”کیسی باتیں کرتے ہو؟ اتنی انگریزی پڑ جانے پر بھی ادبام! میں نے ایسا ضعیف الاعتقاد آدمی نہیں دیکھا بھئی آج کی باتوں کو تمھاری بی بی جان جان تو قسم کھا کے کہتا ہوں کہ پانچ روپیہ کی مٹھائی کھلاؤں گا۔“

مسعودؒ: ”خیر۔ اب تمھیں اصرار ہے تو چلو۔“ حامد حسین نے اندر جا کے اپنی گرنٹ کی شر دانی ڈانٹی۔ نیگے دار تو بی بانگیں کے ساتھ سر پر رکھ کے ایسین سے اٹھائی۔ اور دو گھوڑیاں لیے ہوئے باہر آئے۔ ایک مرزا مسعود کی نذر کی۔ اور دوسری خود اپنے کھد میں دبا کے بی فیروزہ جان کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ پندرہ منٹ کا راستہ مسعود کی بی بی کی غیب دانی کے تذکرے اور باہمی رود و قدح میں کٹا۔

ابھی صبح کے کوئی آٹھ بجے ہوں گے۔ فیروزہ جان نے منہ دھویا تھا۔ کنگھی چوٹی میں شغول تھیں۔ اور زلف شبگون کو رخ تابان پر بھیلانے لگی تھیں۔ اور کنگھی سے برابر کر کے مانگ نکال رہی تھیں کہ یہ دونوں جاہلوں نے۔ ابھر کا کل چچان کے ابر سے اُن کا چٹا سا چہرہ نکلا۔ اور اُدھر میان مسعود کھٹ کھٹ زینے پر چڑھ کے سامنے برآمد ہوئے۔

فیروزہ جان اسوقت کی ساوگی میں اگر کوہ قاف کی بری بنی ہوئی تھیں۔ تو مسعود پر آج کل نوعردوسی کا جو بن تھا۔ دونوں کے دونوں نے ایک خاص اثر و کشش کو محسوس کیا۔ مگر دونوں مضابط اور مستقل مزاج تھے۔ اندر ہی اندر مزے لوٹ کے رہ گئے۔ زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔

فیروزہ جان نے مسعود کی صورت دیکھتے ہی حامد حسین سے کہا "اے بے ایمان  
بجائے کو کیوں تکلیف دی ایمان تک آنے میں ادھر تو لوگوں کے پاؤں کی ہینڈھی ٹھس  
گئی ہوگی۔ اور ادھر دم بھر میں بی بی بنو ہرک گئی ہوں گی"

حامد حسین "جو کچھ ہو۔ مگر یہ ڈرتے ڈرتے آئے ہیں"  
فیروزہ "ڈرنے کی بات ہی ہے۔ (ایک ٹھنڈی سانس لے کے) کہو بی تو بھی ہیں؟"  
حامد حسین "ابھی نہ ہوتیں تو انھیں اپنے پڑاے دوستوں کی صورت سے نفرت  
کیوں ہو جاتی؟"

مسعود۔ (ٹانسنے کے لیے) "عمود علی منین ہیں؟ میں سمجھتا تھا کہ وہ یہاں موجود ہونگے۔"  
فیروزہ "یہ کیسے آپ یہاں عمود علی سے ملنے کو آئے ہیں؟ خیر کسی بہانے سے ہی۔ صورت  
تو دکھائی!"

حامد حسین "منین ہیں تو آتے ہوں گے۔ کوئی جلدی پڑی ہے؟"  
فیروزہ (چونٹی گوند سے ہونے) "جلدی ہو تو بلا بیھون؟"  
فیروزہ جان کے ان طعنے بھرے فقر و ن نے مسعود کے دل میں بھی ذرا  
گدگدائی پیدا کی۔ بولے۔ "میں نے کہا تھیں تو کنگھی چوٹی سے فرصت منین۔ وہ ہوتے  
تو انھیں سے باتیں کرتا!"

فیروزہ۔ (ہنس کے) "اؤئی! آج تو مجھ غریب پر بڑی مہربانیاں ہیں یا تو یہ حالت  
تھی کہ ادھر میں پاس آکے بیٹھی اور ادھر دشمنوں کو ہول دل کا عارضہ ہو گیا۔ یا آج  
جو میں ذرا ڈر بیٹھی ہوں تو شکایت ہو رہی ہے؟" چونٹی گوند چکی تھی۔ تو اس سے منہ پھوٹ  
کے بی فیروزہ اٹھلاتی ہوئی ایک نازدندانہ از سے انھیں۔ اور مسکراتی ہوئی پاس آکے  
مسعود کے زانو سے زانو بھرا کے بیٹھ گئیں۔ اور بولیں "بس!"

مسعود۔ (گھبرا کے اور وحشت کھا کے) "منین۔ اتنی قربت منین ابھی۔ میں واللہ  
پیروں کے سایے سے بھاگتا ہوں۔ ذرا ادھر ہٹ کے بیٹو!"

حامد حسین "آین! واہ!۔ یا بہ آن شور اشوری دیا بہ این بے نکلی!"  
مسعود کی یہ حرکت فیروزہ کے دل پر تیر کی طرح لگی۔ مگر ہوشیار عورت تھی۔  
منبط کیا۔ اور ذرا پیچھے کھسک کے بولی تو۔ بس اب تو وحشت نہ ہوئی؟ میں اس طرح



راضی ہوں۔ بشرطیکہ آکے اپنی صورت دکھا جایا کرو۔  
 ان باتوں نے مرزا مسعود کے دل پر بے انتہا اثر کیا۔ فیروزہ کے ساتھ جو بے زنجی  
 کی تھی اُس پر بہت بچھٹائے۔ اور دل میں کہا ”یہاں بیٹھنا اندیشہ سے خالی نہیں۔ مجھ  
 میں عجب طرح کی الکڑ سسٹی پیدا ہو گئی ہے جس کی دونوں متضاد قوتیں باہم لڑ رہی ہیں۔  
 ایک طرف فیروزہ کی محبت جوش مارتی ہے۔ اور دوسری طرف بی بی کا ڈر سہماتے دیتا  
 ہے۔ خدا جانے میری زبان سے کیا نکل جائے۔ اور گھر میں جا کے اُس کا جواب  
 دینا پڑے۔ یہ خیال آتے ہی مسعود نے کہا ”بھئی اسوقت مجھے وحشت ہو رہی ہے۔  
 شہر کا ایک چکر لگاتا ہوا گھر جاؤں گا۔ (فیروزہ سے) خدا حافظ اگر موقع ہوا تو کل  
 آؤں گا۔“

فیروزہ۔ (توجہ سے) ”یا وحشت! میرا بیٹھنا ناگوار ہو تو اٹھ جاؤں؟“  
 مسعود۔ مجھے زیادہ شرمندہ نہ کرو۔ اپنے دل کی حالت میں تم سے بیان نہیں کر  
 بس اب اسوقت مجھے جانے ہی دے۔ یہ کہہ کے بلا انتظار جواب اٹھ کھڑے ہوئے۔  
 حامد حسین رد کرتے ہی رہے مگر وہ بوٹ پن کے کمرے سے نیچے اترے اور یہ جاہد جا۔

## چوتھا باب

خطرناک سازش

مرزا مسعود کے چلے جانے کے بعد فیروزہ کی صحبت میں کچھ دیر تک سناٹا  
 سا رہا۔ حامد حسین بھی دم بخود تھے۔ اور وہ بھی حیرت زدہ تھی۔ چند لمحوں کے بعد  
 فیروزہ نے زبان کھولی۔ اور کہا ”اے حامد حسین۔ مجھ سے وہ گلوڑی کون سی ایسی  
 خطا ہوئی تھی جس پر یہ بیٹھے بیٹھے بگڑا کے چلے گئے؟ آخر ناراضی کی کوئی وجہ بھی؟ میں  
 پاس آئی بھی تو اُن کے بٹانے سے! ع بات بھی میں نے کی تو دُور سے کی!“  
 حامد حسین ”تم نہیں جانتیں۔ کل سے اُن کے دل کی حالت ہی عجیب ہو رہی ہے۔“  
 فیروزہ ”میری سمجھ میں تو بس اسی قدر آتا ہے کہ اُن کے دل میں جم گئی ہے کچھ ان  
 سے محبت ہے۔ بس اسی پر اترتے اور غمزے کرتے ہیں۔ اس کے سوا اور کیا بات ہو سکتی

ہے۔

**حامد حسین** : ”نہیں تم غلطی پر ہو“

**فیروزہ** : ”تو پھر دشمنوں کا دماغ اٹ گیا ہے۔ کچھ علاج کرنا چاہیے۔ اور دو چار روزہ یہی کیفیت رہی تو اچھا خاصہ سودا ہو جائے گا“

**حامد حسین** : ”ہاں اس کا اندیشہ مجھے بھی ہے۔ تمہارا یہ خیال کہ یہ تمہاری صورت سے بھاگتے ہیں بالکل بجا و بے اصل ہے۔ صحیح پوچھتی ہو تو یہ تمہاری صورت پر فریفتہ۔ دل و جان سے عاشق۔ اور نہایت ہی متیاب و بیقرار ہو رہے ہیں“

**فیروزہ** : ”(ہنس کے) ”اے اب مجھے زیادہ بناؤ نہیں۔ مجھ سے ذرا بھی محبت ہوتی تو یہی حالت ہوتی؟ یوں اٹھ کے بھاگ جاتے؟ اچھا عاشق اور اچھی فریفتگی ہے کہ پاس بیٹھنے کے بھی روادار نہیں“

**حامد حسین** : ”میں جب بیان کروں گا تو تم خود ہی مان لو گی۔ فقط لاعلمی کی وجہ سے تم ابھی نہیں مانتیں۔ مجھ سے تو آج خود ہی انھوں نے ساری کیفیت بیان کر دی“

**فیروزہ** : ”وہ کیفیت میں بھی تو سنوں“

**حامد حسین** : ”انھیں دعویٰ ہے کہ اپنی طبیعت پر پورا قابو رکھتے ہیں۔ اور آج مجھے بھی یقین آ گیا کہ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ کیونکہ تعین خبر ہے اور زمان کے دو ہفتوں میں سے کسی کو اطلاع ہے کہ یہ تم پر عاشق اور متحارے لیے دیوانے ہو رہے ہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف سب کا یہ خیال تھا کہ تم ان کو چاہتی ہو اور یہ تمہاری صورت سے بھاگتے ہیں۔ جیسا کہ اور سب رندوں کے وہاں ہوتا رہا۔ تم تو جانتی ہو کہ یہ جس رندی کے وہاں گئے ان پر مائل ہو گئی مگر یہ سب سے الگ ہی الگ رہے۔ وہ بسا ہی خیال ہم سب کا تھا کہ یہاں کی آمد و رفت میں بھی تھا۔ مگر آج یہ میرے سامنے قہرے کہ تم پر حد سے زیادہ فریفتہ ہو رہے ہیں۔“

**فیروزہ** : ”تو کوڑی فریفتگی ایسی ہی ہوتی ہے کہ میں پاس آئی تو اٹھ کے بھاگے؟“

**حامد حسین** : ”پتلے پوری بات تو سنو۔ اتفاق سے اس کا حال ان کی ٹی وی و وطن کو منہمک ہو گیا۔ اگر مجھے وہ بڑی چالاک لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے اپنی واقعیت کو ان پر اس طرح ظاہر کیا کہ انھیں یقین ہو گیا ہے اسے علم غیب حاصل ہے۔ اور ان کی ہر بات کما

جان جاتی ہے۔ بس ہر وقت اُسی کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اور اس وقت جو اُٹھ کے بیٹھا گے یہ بھی اُسی وحشت کا اثر تھا۔

فیروزہ: ”تو تھیں یہ حال کیونکر معلوم ہوا؟“

حامد حسین: ”اجی خود انھیں نے بیان کیا۔ بی بی کی غیب دانی کا ثبوت دینے ہی کے لیے تو انھوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ تم پر عاشق ہیں۔ ورنہ بھلا یہ بتاتے؟ قیامت تک تو کسی کو خبر نہ ہوتی۔ یہ بڑے گھر سے آ دی ہیں۔“

فیروزہ: ”مگر انکی بی بی کیونکر معلوم ہو گیا کہ انکی بیان آمدورفت ہے؟“

حامد حسین: ”اتنا ہی سہی میں اُس ظالم کو تو اس کی بھی خبر ہو گئی کہ میرے اور محمود علی کے ساتھ آتے جاتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ خود انھوں نے اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ واقعی یہ حیرت کی بات ہے۔ اور اسی وجہ سے تو یہ اُسکی ولایت کے قائل ہو گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی ماما اخیل یا اپنے کسی عزیز کے ذریعہ سے اُن سے باتیں معلوم ہو گئی ہوں گی۔“

فیروزہ: ”تو اتنا ہی معلوم ہوتا کہ بیان ان کی آمدورفت رہتی ہے۔ ان کے دل کی کیفیت جس کی ہمیں بھی خبر نہیں اُسے کیونکر معلوم ہو گئی۔ اس میں کوئی بات ضرور ہے۔“

حامد حسین: ”سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ کسی کے سامنے خود ہی کہہ گزرے ہوں گے۔ انھیں تو اپنا وہ کنا یاد نہ رہا۔ اور اُس کو خبر۔۔۔“

ان باتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ میان محمود علی بھی آگئے کہ جنکی صورت دیکھ کے بی بی فیروزہ جان نے کہا ”بس تمھاری ہی کسر تھی؟“

محمود علی: ”(قریب بیٹھ کے) ”دیکھو؟“

حامد حسین: ”ابھی میرے ساتھ مرزا مسعود آئے تھے۔ اور تھیں یاد کر رہے تھے۔“ محمود علی: ”اجی میں تو اُن کی صورت دیکھنے کا شوق تھا۔ جب سے شادی ہوئی ہے انھوں نے دوستوں کو صورت ہی نہیں دکھائی۔ تم نے جانے کیوں دیا؟“

فیروزہ: ”اُن کے سر پر آج وحشت ہی ایسی سوار تھی کہ ریشمان توڑا رہے تھے۔ کس کی بھال تھی کہ اُن کو روکنا؟“

محمود علیؒ: دشت کیسی ہے؟

حامد حسینؒ: تم نے کچھ اور بھی سنا ہے مسعود بی فیروزہ پر عاشق ہو گئے۔ اور ان کے لیے نہایت ہی بیقرار رہیں۔

محمود علیؒ: تمہیں واللہ! (فیروزہ کی طرف دیکھ کے) واللہ مانتا ہوں۔ بڑے شک کو مارا۔ مگر بی صاحب اس پر تم کو ناز کرنا چاہیے۔ جس پتھر پر بڑے بڑے جادو نگا ہوں کا زور نہیں چلا تھا اس میں تم نے جو تک لگا دی ابھی کمال کیا! فیروزہؒ: مگر ذرا اس عشق کی پوری کیفیت تو حامد حسین سے سن لو۔

محمود علیؒ: وہ کیفیت کیا ہے؟

حامد حسینؒ نے اول سے آخر تک ساری سرگزشت بیان کر کے کہا: اب وہ عجب دھکم میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایک طرف تو فیروزہ جان کا عشق زور کرتا ہے۔ دوسری طرف بی بی کا ڈر غالب ہے۔ نہ میان آتے بنتی ہے۔ اور نہ بے آئے رہا جاتا ہے۔

محمود علیؒ: یہ تو عجیب واقعہ ہے۔ یہ غیب دان جو رُو کی بُری ہوئی۔

حامد حسینؒ: اور غیب دانی کے ساتھ ہم سب کی دشمنی ہے۔ اگر اس کا زور چلا تو مرزا ستود کو ہم سب سے چھڑا دے گی۔

محمود علیؒ: اب جی اس کی ایسی تھی۔ ہم اس نادان جھوٹے ہی سے ہار گئے۔ تو واللہ کسی کو منہ نہ دکھائیں گے۔

حامد حسینؒ: کوئی ایسی تدبیر ہوتی کہ جس طرح وہ ہمارے دوست کو ہم سے چھڑانا چاہتی ہے۔ ہم اُسے اُس کے میان سے چھڑا دیتے۔

محمود علیؒ: بیشک بیشک۔ یہی ہونا چاہیے۔ اب ہمارا اُس کا مقابلہ ہے۔ اور یہ تو بھی تو اب کا کام ہے۔ اگر مسعود کے پیچھے دوست ہو تو اُسے اس ظالم رُو کی کے پھندے سے چھڑاؤ۔ گٹو گٹاٹ کے پاس ایک بڑا جادوگر رہتا ہے اُسے بلا لاؤں؟ بعضی اُس کا ایسا علی نہتر ہے کہ بھال کیا جو پٹ بڑے۔ جو رُو کو میان سے اور میان کو جو رُو سے اس طرح چھڑا دیتا ہے کہ ایک کو دوسرے کی صورت سے نفرت اور دلی دشمنی ہو جاتی ہے۔

حامد حسین :- ابی سب سے بڑا چلتا ہوا جادو فیروزہ جان کے پاس سے -  
ان کی رسی پٹی آنکھوں اور لہراتی ہوئی زلفوں کا جادو مسعود پر ایسا چل چکا ہے  
کہ آج خود ہی قبول دیے - ۶ جادو وہ جو میرے چڑھ کے بولے "

فیروزہ - (مسکرا کے) "اس جادو کا اثر تم نے آج ہی دیکھ لیا"  
حامد حسین :- "اجی اس کا خیال نہ کرو۔ جب تم اُن کے دل میں اثر کر چکی ہو  
تو جو چاہو گی کر لو گی"

محمود علی :- بیشک کر لو گی۔ تمہیں اپنے حُسن کی قدر نہیں۔ اب مسعود کی حالت  
سے تمہیں اپنے حُسن کا اثر معلوم ہو گا۔ بس اب یہی منتظر جائے کہ ہم تینوں ملے  
کوشش کریں کہ جس طرح نے مسعود اور اُسکی جورو میں چپے - اور ایسی گتھی  
بڑے قیامت تک سلجھنے کو نہ آئے "

حامد حسین :- یہ نہ ہوا اور ہم اس کس چھو کر سے ہمارے گئے تو ناک کٹا ڈالیں گے۔  
محمود علی :- مگر ہماری ساری کارروائیوں کا دار و مدار (فیروزہ کی طرف  
اشارہ کر کے) ان بی صاحب پر ہے۔ اگر انھوں نے ساتھ دیا تو پھر  
ہم سے کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا "

حامد حسین :- "ساتھ نہ دیں گی تو نہ دیں گی۔ اس وقت مسعود کے اٹھ جانے  
سے جیسی دل شکنی اور توہین ان کی ہوئی ہے آج تک کسی حسین عورت  
کی نہ ہوئی ہو گی"

فیروزہ :- "ہاں بھی - میرے دل کو صدمہ تو ہوا۔ لہو کا گھونٹ پی  
کے رہ گئی "

محمود علی :- "تو ہمارا ساتھ دو گی نہ؟"

فیروزہ :- "پوری طرح - اور آخر تک - اب تو جس طرح بنے مجھے اس  
چھو کر کی کو نیچا دکھانا ہے - اگر میرا زور چلا تو اسے اس طرح جلا جلا کے  
ماروں گی کہ وہ بھی یاد کرے گی"

حامد حسین :- "تو فتح ہے - تم ساتھ دو اور فتح نہ ہو - اچھا تو اب سوچو  
کہ ہمیں کیا تدبیر کرنی چاہیے "

فیروزہ : " آج ہم سب اس معاملہ میں غور کریں ۔ اور کل رات کو مل کے تجویز کریں گے کہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے ۔ اس تجویز پر سب نے اتفاق کیا ۔ اور بات کل پر اٹھ رہی ۔

## پانچواں باب

میان بی بی کے علمی مشاغل

مرزا مسعود بی فیروزہ جان کے وہاں سے اٹھے تو شہر کے سارے باغوں کے صحنے ہوتے اور خدہ اجانے کن کن گلیوں کی خاک چھانٹتے ہوئے کوئی دو بیٹے گھر پہنچے عفت آرائے انتظار میں اس وقت تک کھانا نہیں کھایا تھا ان کی شکل دیکھتے ہی اس کی صورت پر بھالی آگئی ۔ لب لعلیں جوینہ ہی گھنٹوں کے انتظار میں گلاب کی مرجھائی ہوئی پنکھیاں بن گئے تھے آنا ٹانگیاں تروتازہ ہو کے اٹھیں ۔ اور جیسے ہی میان سے کمرے کے اندر قدم رکھا تو کھڑی ہوئی ۔ اور پوچھا " اتنی دیر کہاں لگی ؟ باہر گئے تو باہر ہی کے ہو رہے ۔ گھر جیسے بھول گیا ! " اسے دیکھ کر بچے کو اسے بہن اس وقت تک نہ کھانا ہے نہ پانی ہے ؟

مسعود : " تم نے کھا با ؟ "

عفت آرائے : " میں بھی کھاؤں گی ۔ ( محمدی خادمہ سے ) اے محمدی جدی دسترخوان

بکھاؤ !

مسعود : " ذرا آنا منہر جاؤ کہ اچھا منہر دھوؤں ۔ بڑی دُور دُور کا چکر لگاتا

ہوا آیا ہوں !

عفت آرائے : " میری تعریف کو سب ہی جانتے ہیں ۔ مگر صبح یا شام کو ۔ دوپہر کی

دھوپ میں مارے مارے پھرتے اور دشمنوں کی جان ہلکان کرتے میں نے کسی کو

نہیں دیکھا !

مسعود : " مجھے کوئی کام کاج تو ہے نہیں ۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے گھبراہٹ اور جھٹ

ہوئی تو تھک کر اٹھا ہوا۔ تم میرا انتظار نہ کیا کرو۔ اور جب وقت آئے میں گھر میں نہ  
 یا نہ ہوں بے تکلف کھالیا کرو۔  
 عفت آرا! اس کا خیال نہ کرو۔ مجھ جب بھوک لگے گی تو آپ ہی کھا  
 لون گی۔“

اب مرزا مسعود نے جا کے ہاتھ منہ دھوئے۔ توال سے منہ پونچھ کے بیٹھے ہی تھے  
 کہ بھری نے دسترخوان بچھا کے کھانا چنا۔ اور دونوں دولہا دھن ساتھ بیٹھ کے کھانے  
 لگے۔ کھانے کے بعد مسعود نے تھوڑی دیر تک پانگ پرلیٹ کے قانون کی ایک کتاب  
 کے چند ورق دیکھتے تھے کہ چار بج گئے۔ اٹھ کے منہ دھویا۔ چادری۔ اور کپڑے پہن  
 کے پھر سیر کو نکل کھڑے ہوئے۔ صبح کو انھیں اپنے پرانے دوستوں کی صحبت میں  
 ایسی وحشت ہوئی تھی کہ بجائے اس کے کہ اُن سے ملنے یا غون اور پُر فضا مقاموں  
 کی سیر میں وحشت دل کو گونہ تسلی دی۔ اور آخر بجے رات سے پہلے ہی واپس آگئے۔  
 اب کھانے اور ضروری امور سے فراغت کر کے لیٹے ہیں عفت آرا بھی پابند ان  
 کھوٹے ہوئے پاس بیٹھی ہے۔ اور تسلی و دلہی کی باتوں میں میان کا دل بہلا رہی ہے  
 اور صراصر کی چند باتوں کے بعد اُس نے کہا ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انھیں کوئی کام  
 کرنے کو نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے تم کو اکثر پریشان دیکھتی ہوں۔“

مسعود یہ میں بی۔ اے۔ کے امتحان میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ اب ضرورت  
 ہے کہ کسی ہنر اور پیشہ کی تعلیم پاؤں۔ اباجان اور سب بزرگوں کو اصرار ہے کہ قانون  
 میں امتحان دوں۔ جس کے بعد اگر اچھی سفارش مل گئی تو کوئی معزز خدمت مل جائیگی  
 ورنہ وکالت کا پیشہ تو کین نہیں گیا ہے۔ مگر خدا جانے کیا بات ہے کہ قانون میں  
 میرا دل نہیں لگتا۔“

عفت آرا! اچھا تو تم کس فن اور کس پیشہ کو پسند کرتے ہو؟“  
 مسعود: دو ہی بین کام ہیں جن کو میں اختیار کر سکتا ہوں۔ اگر قانون نہیں تو  
 ڈاکٹری ہے۔ اُسے اختیار کروں تو کسی میڈیکل کالج میں شریک ہونے کے لیے مجھے  
 کسی اور شہر جانے رہنا پڑے گا۔ ماسوا اس کے میں ڈاکٹری سے بھاگتا بھی ہوں کیونکہ  
 اُس میں لاشوں کو چیرنا پھاڑنا۔ اور مریضوں پر گوان کی بہتری کے لیے جو مظہر

ظلم و جور کرنا پڑتا ہے۔  
**عفت آرا** ۲: تو اسے بھی جانے دو۔ اور کون سا ہنر ہے؟  
**مسعود** ۲: ڈاکٹری مین تو انجینیری ہے۔ مگر وہ بڑی محنت اور دوڑوڑوڑو کا کام ہے۔

**عفت آرا** ۲: تو یہ بھی تمہیں نہیں پسند۔ پھر کیا کرو گے؟  
**مسعود** ۲: اگر امید داری میں دوڑوڑوڑو کا کام کروں تو سوچاں اس کی نوکری مل سکتی ہے۔  
**عفت آرا** ۲: لیکن جب تمہیں زیادہ ترقی کا موقع حاصل ہے۔ اور خدا کے احکام دیئے ہیں تو یوں ہاتھ پاؤں توڑ کے غلامی اختیار کر لینا کون سی عقلندی کی بات ہے؟  
 اس سے زیادہ پست جہت کیا ہو سکتی ہے؟

**مسعود** ۲: تم سچ کہتی ہو۔ نوکری غلامی ہی ہے۔ مگر پھر آخر کروں کیا؟ مجھے بھی اپنے حق میں قانون کا پیشہ مناسب معلوم ہوتا ہے مگر شاست اعمال سے قانون میں دل ہی نہیں لگتا۔

**عفت آرا** ۲: بھلا کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ قانون میں تمہارا دل کیوں نہیں لگتا؟

**مسعود** ۲: اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ مجھے قانون سے انس نہیں ہے۔  
**عفت آرا** ۲: تمہیں اُس سے انس نہیں ہے یا مناسبت نہیں ہے؟

**مسعود** ۲: تم نے خوب بات نکالی۔ میں اس وقت تک انس اور مناسبت کو ایک ہی سمجھ رہا تھا اور یہ اسے قائم ہو گئی تھی کہ قانون میں ترقی نہ کر سکوں گا نا۔

**عفت آرا** ۲: انس اور چیز ہے۔ اور مناسبت اور چیز۔ انس نہ ہو تو کوشش کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور مناسبت جس چیز کے ساتھ نہ ہو سو جن کو ہرگز نہیں پیدا ہو سکتی۔ تم نے جب کھن پڑھنا شروع کیا ہے اس وقت تمہیں اُس سے کسی قسم کا انس نہ تھا۔ مگر جبراً و قہراً تم اُس کی طرف متوجہ کیے گئے اور آخر انس ہو ہی گیا۔ اور ایسا انس کہ خدا کے فضل سے گریجوئٹ ہو گئے۔ لیکن اگر مناسبت نہ ہوتی تو ہرگز کامیاب نہ ہوتے۔ انس اور بے انس اسی وقت تک رہتی ہے جب تک کسی کام کو شروع نہ کرو۔ اور مناسبت اور بے مناسبتی کا



پتہ اس وقت چلتا ہے جب ایک کام کو ایک حد تک کر چکے۔  
 مسعودؒ تم سچ کہتی ہو۔ قانون سے مجھے انس نہیں ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے  
 کہ نہ میرے گھر میں کوئی قانون پیشہ ہے۔ اور نہ مجھے قانون پیشہ لوگوں سے کبھی  
 صحبت رہی۔ اس لیے ان کی تمام باتوں سے میں غیر مانوس ہوں۔ مگر یہ ہرگز نہیں  
 کہہ سکتا کہ مجھے اس کے ساتھ مناسبت بھی ہے یا نہیں؟

**عفت آرا** تو سنو میں ایک تدبیر تباؤن۔ میری انگریزی کی لیاقت بہت  
 ناقص ہے۔ میں صاحب سے چھ سات کتابیں پڑھیں۔ ان کی صحبت میں بولنا تو لگا  
 انگریزی لیاقت بالکل نہیں پیدا ہونے پائی۔ اب میں تم سے انگریزی پڑھنا شروع کروں گا  
 اور یہ معمول ہو جائے کہ روز صبح کو تین گھنٹے اور رات کو دو گھنٹہ میں بیٹھ کے اپنا  
 سبق نہایت خاموشی سے یاد کیا کروں۔ اور اسی وقت بلا ناغہ تم بیٹھ کے قانون  
 کی کتابیں دیکھا کرو۔ رہ گیا مجھے پڑھنا دینا اس کے لیے کوئی اور وقت مقرر  
 کر دو۔ یہ پانچوں گھنٹے فقط مطالعہ اور یاد کرنے کے لیے رہیں۔ میں اس وقت  
 کسی کو یہاں آتے بھی نہ دوں گی۔ اس طریقہ سے سال بھر تجربہ کر کے دیکھو کہ میں  
 قانون کے ساتھ مناسبت ہے یا نہیں؟

مسعودؒ بات معقول ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ تمھاری صحبت میں مجھے لکھنے پڑھنے  
 کی چھٹی ہی نہ ملے گی۔ مگر اب تمھاری باتوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید میرے  
 لیے ترقی کا ذریعہ ہی تم ہوگی؟

**عفت آرا** ابھی اس کا حال کسے معلوم کر مجھ سے تمہیں فائدہ ہیونے کا یا  
 نقصان۔ مگر میں نے اپنی اُستافی میں صاحب کو ایک دفعہ کہتے سنا تھا کہ بیکاری  
 ہی سے بدکاری پیدا ہوتی ہے۔ اور بیکاری آدمی سے زیادہ خطرناک کوئی نہیں  
 تم کو جو بیکاری کی حالت میں دیکھا تو مجھے انکی وہ بات یاد آگئی۔ اور ڈر معلوم  
 ہونے لگا کہ دیکھیے اس سے کیا خرابی پیدا ہوتی ہے؟

مسعودؒ اچھا تو آؤ تمہیں آج ہی سے انگریزی شروع کرادوں۔ تاکہ کل  
 صبح سے ان باتوں کی پابندی شروع ہو جائے؟

**عفت آرا** اس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟ مگر دن میں سوچ لو کہ بچران وقتوں

فرق نہ پڑنے پائے۔“

مسعودؒ جب ہم دونوں مستعد بن تو انشاء اللہ فرق نہ پڑے گا۔ اگر میری طرف سے کمی ہوگی تو مجھے متنبہ کر دو گی۔ اور تمہاری طرف سے کمی ہوگی تو میں لوگوں کا عفت آرا۔“ اچھا تو تم ہی مجھ کو کئی کتاب بھی دو۔“

مسعودؒ میرے پاس ایک ناول رکھا ہوا ہے۔ سینڈ فورڈ اینڈ مرٹن۔ جو محض ہی کے لیے لکھا گیا ہے اور بہت ہی سلیس عبارت میں ہے۔ تم اس کو اور مینول گرامر وغیرہ

کردو۔“ عفت آراؒ لاؤ دو کتابی بی کو مستعد دیکھ کے مرزا مسعود اپنی کتابوں میں سے دو کتابیں دو حوزہ کے نکال لائے۔ اور عفت آراؒ نے لیتے ہی ناول کو پڑھنا شروع کر دیا۔ دو تین صفحوں تک پڑھ گئی تو مرزا مسعود بولے ”اچھا خاصہ پڑھ لیتی ہو۔ اور تمہارا تلفظ تو مجھ سے بھی اچھا ہے۔ مگر مضائقہ نہیں اسی کتاب کو چار چار یا پانچ پانچ صفحوں کے آخر تک سنا جاؤ۔ گویہ کتاب تمہاری لیاقت سے کم ہے مگر تعین اس سے بہت فائدہ پہونچے گا۔ جب اسے ختم کر لو گی تو پھر کوئی اور مشکل کتاب دوں گا۔ ناول کے چند صفحہ سننے کے بعد مرزا مسعود نے عفت آراؒ کو گرامر کا ایک صفحہ بھی سمجھا کے پڑھا دیا۔ اور خود ناول شہادت کا مطالعہ کرنے لگے۔

اب عفت آراؒ سبق یاد کرنے میں مشغول ہے اور مرزا مسعود اپنی قانونی کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھے ہیں۔ مگر صرٹ دکھانے کے لیے۔ کیونکہ اُن کے دل میں خدا جانے کیسے خیالات گزر رہے ہیں جن کا مرکز زیادہ تر عفت آراؒ اور بی فیروزہ جان ہیں۔ سمجھی اپنے ٹھہر میں ہوتے ہیں۔ اور کبھی فیروزہ کے کمرے پر۔ اپنے دل سے سوال کیا کہ ”ایچی بی بی کو میں بڑا سمجھوں یا اچھا؟ کوئی بات مبینہ نئی یا اسکی اخلاقی حالت اس کے برتاؤ۔ اس کی محبت اور اسکی لیاقت و قابلیت کو دیکھ تو ایسی بی بی حیران خے کے دھونڈھے تو بھی نہ ملے گی۔ مگر کاش اس کے ساتھ یہ دھڑکا نہ ہوتا کہ اسے مناسب کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور میں کسی سے ملوں اسے خبر ہو جاتی ہے۔ جی کتاے کی فیروزہ کا رُخ زیادہ دیکھنے کے لیے چل۔ بی بی کا خوف دھمکتا ہے کہ گئے اور پکڑے گئے۔ پھر بغیر اُن لوگوں سے ملے جے بھی نہیں رہا جاتا۔ کیا کروں؟ کوئی بات نہیں ختی عفت آراؒ

کے اخلاق میں سب سے برا قسم یہ ہے کہ اپنی زبان سے مجھے کہیں اور کسی کے پاس جانے سے نہیں روکتی۔ نہ اُس کا کوئی حکم ہے۔ نہ کسی بات کی فرمائش ہے۔ نہ کسی قسم کی روک ٹوک ہے۔ مگر باوجود ان سب آزادیوں کے اُس نے پاؤں میں ایک ایسی زنجیر ڈالی ہے کہ کسی جوت قدم نہیں اٹھتا۔ یہ ظاہر دیکھو تو وہ ہر طرح میری ہی خواہ۔ میری صورت کی عاشق۔ اور میری فرمان بردار خادہ بنی ہوئی ہے۔ اچھے کاموں میں لگاتی۔ اور بڑی خوبصورتی سے نصیحت..... نصیحت..... کرتی..... ہاں وہ بہت اچھی..... مگر فروزہ..... فروزہ..... سو گئے۔

کوئی دوسرے آئینہ کلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ شمع روشن ہے اور عفت آرا کیلے پانڈاں کھولے بیٹھی ڈلیاں کتر رہی ہے۔ حیرت سے پوچھا "این اتم سوئمن نہیں؟" عفت آرا "ہاں مجھے نیند نہیں آتی۔ ہیکار پڑے پڑے دم اٹھنے لگا تو اٹھ کے ڈلیاں کترنا شروع کروں۔"

مسعود "اتنی اتنی رات تک جاگو گی تو بجا پر جاؤ گی۔ بس اب لیٹ رہو۔ آنکھیں بند کر کے لیٹو گی تو آنکھ لگ بھی جائے گی۔"

عفت آرا "ہاں میں سو رہوں گی۔ تم آرام کرو۔" اس کے بعد مرزا مسعود کروش بدل کے سوئے تو صبح کی خبر لی۔ اور اس وقت بھی بی بی کو جانتے ہی پایا۔ عفت آرا کی مستانہ آنکھوں میں نیند کا بخار دیکھ کے بولے "میں سمجھتا ہوں تم رات بھر نہیں سوئیں۔"

عفت آرا "سوتی کیوں نہیں؟ بڑی دیر تک سوتی رہی۔" مسعود یہ مگر تمھاری آنکھوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رات بھر تمھاری آنکھ نہیں لگی۔ آخر تحقیق فکر کس بات کی ہے؟

عفت آرا۔ (ہنس کے) "فکر کس بات کی ہوتی؟ بس اتنا ہے کہ مجھے نیند ذرا کم آتی ہے۔ لے اب اٹھ کے ہاتھ منہ دھو۔ چاؤ تیار ہے۔"

مرزا مسعود بلنگ سے اٹھ کے چوکی پر گئے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھی۔ مگر عفت آرا کی عجیب حالت تھی۔ بغا ہر تو اب تک ڈلیاں ہی کتر رہی ہے مگر خدا جانے کس قسم کے اور کیا کیا خیالات دل میں بھرے ہوئے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے کبھی مسکراتی بلکہ ہنس

دیتی ہے۔ اور کسی وقت اُس کے اڑک رخساروں پر غیظ و غضب کی سی تہماہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر آپ ہی آپ پیارا اور بھولا چہرہ نہایت ہی مین بن جاتا ہے۔ مگر بلا کی ضابطہ ہے مجال کیا کہ کسی کو اُس کے دل کا حال معلوم ہو جائے۔ بغیر اس کے کہ ان دلی جذبات کے متعلق ایک لفظ بھی زبان سے نکالے یا نہ ان بند کر کے اُٹھی وضو کر کے نماز پڑھی۔ اور محمدی سے تاکید کی کہ ”جلدی چاء اوڑھ لے کے آؤ“

چاء سے فارغ ہو کے مرزا مسعود نے کہا ”اب تم تو رات بھر کی جاگی ہوئی ہو۔ اس وقت سبق کون یا د کرے گا؟ اور جب تم ہی کتاب لے کے بیٹھو گی تو میں کیوں بیٹھنے لگا تھا؟“

عفت آراؒ یہ تم سے کس نے کہا کہ میں نہ بیٹھوں گی؟ اول تو میں اپنی نیند سولی ہوں۔ اور نہ سولی ہوتی تو بھی یہ ممکن نہ تھا کہ رات کا قول و اقرار اتنی جلدی بھول جاتی۔ میں اپنی کتابیں لاتی ہوں اور تم اپنی کتابیں لو۔ یہ کہہ کے اُس نے محمدی کو پکارا۔ اور وہ حاضر ہوئی تو حکم دیا کہ ”مجھ سے کوئی کام ہو تو اسی وقت کہہ دو۔ پھر دس بجے تک مجھے بات کرنے کی چھٹی نہ ہوگی۔ اور ان دیکھو فیضین پیش خدمت اور ابھی کار سی سے بھی کہہ دو کہ دس بجے تک نہ خود میرے پاس آئیں۔ اور نہ کسی اور کو آنے دیں“

ایسے نے جھٹلینی حکم سے ہندوستان کے گھر بالکل نا آشنا ہیں۔ محمدی نے حیرت سے سنا۔ مگر عذر کی کیا مجال تھی بولی ”میں ابھی جا کے سب کو یہ حکم سنانے دیتی ہوں“

عفت آراؒ ”آج ہی پر موقوف نہیں۔ روز ہی قاعدہ رہے گا کہ ۷ بجے سے ۱۰ بجے تک میں اپنا کام کروں گی۔ اُس وقت نہ کوئی میرے پاس آئے نہ مجھ سے کچھ کہے سنے۔ جو کچھ کہنا یا پوچھنا ہو اگر سے اس سے پہلے پوچھ لیا کرو۔ یا پھر دس بجے کے بعد“

محمدیؒ بہت خوب“

یہ کہہ کے عفت آراؒ نے کمرہ بند کر لیا۔ اور دونوں میان بی بی کتب بینی

میں مشغول ہو گئے۔ دس بجے تک جم کے مطالعہ کرنے سے عفت آرا کو اپنا سبق خوب فر فر یاد ہو گیا۔ دزمرزا مسعود نے بھی جو کچھ آج پڑھا وہ دل میں نقش ہو گیا۔ گو بعض اوقات خیالات پریشان نے ستایا مگر بی بی کو مشغول دیکھ کے کتاب کے مضامین میں مصروف ہو جایا کیے۔ اس کے بعد کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کر کے مرزا مسعود نے کہا ”آج کھانا گیارہ ہی بجے کھلا دو۔ تاکہ کھانے سے فراغت کر کے ذرا باہر کی ہوا کھا آؤں“

عفت آرا نے فوراً ماں کو بلا کے تاکید کی کہ ”کھانا جلد ہی لاؤ۔ گیارہ بجے دسترخوان بچھ جائے“ پھر میان کی طرف دیکھا۔ اور مسکرا کے کہا ”باہر کی ہوا کھانا بہت ضروری ہے۔ جب تک چلو پھرو گے مبین پڑھا بھی نہ جائے گا۔ اور کوئی ایسی محبت بھی چاہیے جس میں انسان بے تکلفی سے بیٹھ کے ہنسنے بولے مگر تعین تو باہر جا کے وحشت ہونے لگتی ہے“

مسعود۔ (چونک کے) ”وحشت کیسی ہے؟“

عفت آرا ”اب یہی گل فیروزہ کے وہاں سے وحشت کھا کے بھاگنے لگاؤں“  
 قہقہہ اول تو جسے تم سے محبت ہو اس سے بھاگنا ہی کیا۔ یہ بھی تو خیال کیا ہوتا کہ وہ اگر تمہارے پاس آئی تھی تو تمہاری ہی بلائی ہوئی آئی تھی“ عفت آرا یہ باتیں کہہ رہی تھی اور مرزا مسعود کے ہوش و حواس فقیر ہو گئے۔ دیر کے بعد جب ذرا حواس ٹھکانے ہوئے تو بولے ”تمہیں ان سب باتوں کی خبر ہو گئی! اچھا تو پھر اب یہ بھی بتا دو کہ میں کس کے ساتھ وہاں گیا تھا؟ اور وہاں صحبت میں کون کون تھا؟“

عفت آرا۔ (ہنس کے) ”اب بتا ہی دوں؟ تم حامد حسین کے ساتھ گئے تھے۔ اور اکیلے وہی آخر تک تمہارے ساتھ رہے“

مسعود ”واللہ! غضب کرتی ہو؟ میں دیکھتا ہوں تم اب میرا گھر سے نکلنا بند کرادو گی“

عفت آرا ”تو میں نے کبھی تمہیں کہیں جانے سے منع کیا ہے؟ تمہارا حجام جی چاہے شوق سے جاؤ۔ اور جس چیز میں تمہاری خوشی ہو اسی میں میں بھی خوش ہوں“

مسعودؑ مگر کیونکر جاؤں؟ قدم قدم پر تو یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ تم کو خبر ہو چکی۔  
 عفت آرا۔ (ہنس کے) ”اے تو میں تمہارا کیا کروں گی؟ فیروزہ کو تم دل سے  
 چاہتے ہو۔ اور اُسے یہ معلوم بھی ہے کہ تم جب تک گھر میں رہتے ہو میں تمہارے پاس  
 رہا کرتی ہوں۔ پھر اُس کے جان جانے کے خیال سے کیا بھی تم نے گھر کا آنا چھوڑ دیا؟“  
 مسعودؑ لا حول ولا قوۃ! اُس کا اور تمہارا مقابلہ ہی کیا؟ وہ وہی ہے اور  
 تم تم ہی ہو؟ اب اُس کا ایسا ڈر نہیں ہو سکتا کہ میں اُس کے لیے تم سے ملنا چھوڑ دوں۔  
 عفت آرا۔ (ساتت سے) ”انسان جس کسی کو دل سے چاہتا ہے اُس کا خیال  
 کرنا ہی پڑتا ہے۔“

مسعودؑ اُس سے مجھے انکار نہیں کہ میں اُسے چاہتا ہوں۔ مگر یہ چاہنا ایسا  
 نہیں ہے کہ میں اس لیے قیام پریشان ہوں۔ اور تمہاری وہ وقت ہے کہ تعین  
 چاہنا بھی اُس کے چاہنے سے بڑھا ہوا ہے۔

عفت آراؑ یہ تمہاری عنایت و شرافت ہے۔ ورنہ میں تمہاری ایک ادنیٰ  
 نونڈی ہوں۔ اور صرف تمہاری خدمت گزاری کے لیے۔ میرا اندیشہ ہی کیا۔ تم  
 خیال رکھو یا نہ رکھو میں ہر طرح تمہاری ہوں۔ فیروزہ روٹھ بھی سکتی ہے۔ بگڑ  
 بھی سکتی ہے۔ مگر میرا کام ہے کہ ہر حال میں راضی اور تمہاری ہی ہو کہ رہوں۔  
 مسعودؑ سب سے زیادہ قیامت تو تمہاری یہی نیک نفسی ہے۔ کسی اور کے خلاف  
 کہو تو وہ بگڑے گا بڑا بھلا لکے گا۔ مگر تمہارے خلاف کرنے میں یہ آفت ہے کہ تم تو  
 کچھ نہیں کہتیں۔ مگر خود اپنا نفس لعنت و ملامت کرنے لگتا ہے۔

عفت آرا۔ (ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ) ”تو یہ تمہارے نفس کی  
 خوبی ہوئی؟ اس میں سیری کون سی تعریف ہے؟“

مسعودؑ جو کچھ ہو تمہارا یہ عمل قیامت کا ہے کہ کوئی بات کیسی ہی چھپا کے کیجائے تم جان جاتی ہو۔

## چھٹا باب

پھر وہی فیروزہ کا گھر

کھانے سے فارغ ہو کے مرزا مسعودؑ گھر سے نکلے۔ مگر پہلے سے زیادہ خائف

ترسان و لرزان - گھر سے نکل کے وہی چار قدم گئے ہوں گے کہ دل سے پوچھا "اب اسوقت میں کہاں جاؤں؟" مگر کچھ جواب نہ ملا۔ لہذا اس کا تصفیہ کرنے سے نیلے چلتے چلتے سڑک ہی پر کھڑے ہو گئے۔ آدرسو بیٹھے لگے۔ ہر دوست اور شننے والے کاظم یاد آتا تھا مرقم کسی طرف نہ اٹھتا تھا۔ اور وجہ یہ کہ سابق کی گزری ہوئی صحبت کی بدولت کسی ایسے شخص سے دوستی نہیں پیدا ہونے پائی تھی جو جذب شائستہ اور شریف ہو اور جس سے ملنے جلنے میں بی بی سے حجاب نہ آتا ہو۔ اسی تردد اور گویا عالم میں کھڑے کھڑے کئی منٹ ہو گئے اور کسی طرح کوئی تصفیہ نہ ہو سکا۔ عالم استغفرین میں تھے کہ قریش آواز آئی "این! ماشاء اللہ! کیا پٹیک میں ہو؟ یہ پہلیون کی پٹیک آج ہی دیکھی!"

مرزا مسعود سننے ہی پہچان گئے کہ محمود علی کی آواز ہے۔ بوسے بھٹی پڑے۔

اے! میں اسی فکر میں تھا کہ کہاں چلوں؟  
محمود علی: "خوب۔ بڑا مشکل معاملہ تھا۔ میں کہتا ہوں یہ تعین ہو کیا گیا ہے؟ اب آپ بی بی کے ڈر کے مارے گھر سے نکلنا چھوڑ دیں گے؟"

مرزا مسعود: "خدا ہی نے کہا ہے کہ جب بی بی کو ذرا اسی باتوں کی خبر ہو جائے تو میرا ہر جگہ کا آنا جانا چھوٹ جائے گا؟"

محمود علی: "کسی ذریعہ سے انہیں دو ایک باتوں کا پتہ لگ گیا۔ اور تم سمجھ گے کہ میری بی بی غیب دان ہیں۔ میں مافون گا۔ ان کا کوئی نہ کوئی جاسوس تھا کہ آس پاس رہا کرتا ہوگا؟"

مرزا مسعود: "اچھا اب اسی وقت تم دیکھ لو میان کون سا جاسوس موجود ہے؟"

محمود علی: "تو اسوقت کی باتوں کی انہیں خبر بھی نہ ہو گی۔ کیا بھال جو کچھ بھی معلوم ہو سکے۔ تم اسوقت میرے ساتھ فیروزہ جان کے گھر چلو۔ اور میں دیکھتا رہوں گا کہ ہمارے پیچھے پیچھے کوئی آ تو نہیں رہا ہے؟"

مرزا مسعود: "کوئی آتا ہو یا نہ آتا ہو گری بی بی کو ضرور خبر ہو جائے گی؟"

محمود علی: "تو اچھا کچھ شہر ط ہو جائے؟"

مرزا مسعود: "جو شرط کو منظور ہے؟"

محمود علیؒ: مگر میں جس طرف سے اور جس طرح سے چاہوں گا لیجاؤں گا۔ آپ اس میں کچھ دخل نہ دیجیے گا۔

مرزا مسعودؒ: مجھے سب طرح منظور ہے۔

محمود علیؒ: تو پھر پیاس پیاس روپیہ ہوئے۔ مگر میں واللہ لے لوں گا۔  
مرزا مسعودؒ: ابھی اُسی وقت نقد بیا دون۔ لیکن اگر گھر میں خبر ہو گئی تو پھر میں بھی اُسی وقت کھڑے کھڑے رکھوا لوں گا۔

محمود علیؒ: منظور۔ یہ کہہ کے محمود علیؒ نے سڑک پر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اس پاس جتنے لوگ نظر آئے ان سب کو خوب بھانپ بھانپ کے دیکھا۔ اور جب کسی پر کسی قسم کا شبہ نہ ہوا تو بولے ”اچھا اب چلیے۔ گرا دھرتے نہیں ایک طرف اشارہ کر کے اس راستے سے چلیے۔“

مرزا مسعودؒ: چلیے اور دونوں اُسی طرف چل کھڑے ہوئے۔ اب محمود علیؒ نے راستہ بدلانے کے لیے کہا ”تم واقعی بڑے بے مروت اور پسندل ہو۔ اچھی شادی کے بعد مجھ سے نہیں لے تھے نہ سہی۔ قیامت تو یہ کہ تم نے اپنے سب دوستوں کو چھوڑ دیا۔ اور تو اور فیروزہ جان کی ملاقات بھی القضا۔“  
مرزا مسعودؒ: اُن سے توکل ملا تھا۔

محمود علیؒ: جی سُن چکا ہوں۔ ایک دم بھر کے لیے گئے اور اُس غریب کو ایسا ملال دے آئے کہ اُس کی بھوک پیاس سب تشریف لے گئی۔ کل سے اس وقت تک اس کی حلق سے ایک دانہ نہیں گیا ہے۔

مرزا مسعودؒ: (حیرت سے) ”تو میں نے کیا کیا؟“

محمود علیؒ: پہلے تو انھیں اپنے پیاس بلایا۔ اور جب آئین تو ایسی بے رخی اور رکھائی ظاہر کی کہ گویا اُن کی صورت ہی سے نفرت ہے۔ اور پھر آپ ہی آپ اس طرح رستیان تڑا کے بھاگے کہ جیسے دشمنوں کو سودا ہو گیا ہے۔

مرزا مسعودؒ: اتنا قصور تو ضرور ہوا ہے۔ اور سبب یہ ہوا کہ جب وہ پیاس آکے میرے زانو سے زانو بھڑا کے ٹھٹھین تو مجھے خیال آگیا کہ بی بی کو ان باتوں کی خبر ہو جائے گی۔ بس اسی اندیشہ سے میں اُٹھ کے بھاگا۔ مگر فیروزہ جان



سے تو میں نے معذرت کر لی تھی۔  
**محمود علی:** ”آپ کی معذرت کے بھی قربان! پہلے خود ہی ذلیل کیجیے اور پھر معافی مانگیے۔“

**مرزا مسعود:** ”تو میں نے انھیں ذلیل کب کیا ہے؟“  
**محمود علی:** ”ایک جوان عورت خصوصاً رنڈی کی اس سے زیادہ تو میں کیا ہو سکتا ہے کہ اسے شوق سے بلایے۔ اور جب آئے تو نفرت کے طریقہ سے ہٹا دیجیے۔ واللہ سے تم نے اُن کے دل کو بڑا صدمہ پہنچایا ہے۔ اور جب تک اپنے فعل پر ذمہ داری ظاہر کر کے اور اُن کے حسن و جمال کی بے انتہا تعریف کیے دلی شوق بلکہ عشق نہ ظاہر کرو گے اُن کے دل کو چین نہ آئے گا۔“  
**مرزا مسعود:** ”یہ تو مجھ سے آج کل نہ ہو گا۔“

**محمود علی:** ”کیا باتیں کرتے ہو۔ اُن کی تو یہ حالت ہو رہی ہے کہ تمہارے نام پر فدا ہیں۔ تمہاری ہر ہر ادا پر جان دینے کو تیار ہیں۔ ایک ذری سہی رنگھائی پر یہ عالم ہے کہ دو روز سے دانہ پانی خرام ہو گیا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں مجھ سے نہ ہو گا۔ نہ کیسے ہو گا؟ تم اُس غریب کی جان لو گے؟“  
**مرزا مسعود:** ”مجھے جان لینے یا دینے سے کیا تعلق ہے فقط دُور کی یاد اللہ سے نہ مجھ سے اُن سے کسی قسم کا تعلق تھا نہ ایسی زیادہ آمد و رفت ہی رہی ہے۔ میں تو وہاں صرف تم لوگوں کی وجہ سے چلا جایا کرتا ہوں۔“

**محمود علی:** ”تم سے ان سے کوئی تعلق نہیں! تعلق کچھ ساتھ لیٹنے ہی سے نہیں ہوتا۔ تعلق تو دل سے ہے اور یہاں دونوں کی جو حالت ہے تم جانتے ہی ہو۔ وہ تم پر جان فدا کیے بیٹھی ہوئی ہیں۔ رہے تم۔ تو مجھے تم ہزار قسمیں کھاؤ یقین نہ آئیگا کہ تمہارے دل میں اُن کا کچھ خیال نہیں۔ اُن سے چھوٹ کے تمہارے دل پر بھی ہمیشہ ایک کوفت رہنے لگی۔“

اتنے میں ایک مکان کے دروازے پر پہنچ کے محمود علی نے کہا ”اس کے اندر چلیے۔“

**مرزا مسعود:** ”یہاں کہاں؟ فیروزہ جان کے وہاں چلتے ہو نہ؟“

محمود علیؒ تھیں اس سے کیا بحث ؟ میں وعدہ لے چکا ہوں کہ جس طرح چاہوں  
لے چلوں گا۔

مرزا مسعودؒ : ”بان ہاں چلو۔ مجھے اس کا خیال نہ تھا۔“

یہ ایک خانصاحب کا مکان تھا جن سے میان محمود علیؒ سے بہت پرانا  
راہ ورہ تھا۔ اندر جا کے مرزا مسعود کو اُن سے ملایا۔ حقہ کے چند کش لگائے۔ اور  
ایک ایک گوری کھائے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس مکان کا ایک دوسرا دروازہ  
ایک تنگ و تاریک گلی میں تھا۔ اُسی راستہ سے نکل کے محمود علیؒ نے آگے کی راہ  
لی۔ اور گلیوں ہی گلیوں ہوتے ہوئے خاص بی فیروزہ کے مکان کے پاس نکلے۔  
راستہ میں کئی جگہ ٹھہر کے اندازہ کیا کہ ہمارے ساتھ تو کوئی نہیں آ رہا ہے۔ پھر فیروزہ  
کے دروازے پر بھی خوب غور سے دیکھ کے اطمینان کر لیا کہ کوئی جاسوس ساتھ نہیں  
ہے تب فیروزہ کے کمرے پر چڑھتے ہوئے زینہ پر کھڑا۔ اب آج کا حال تمہاری بی بی  
کو معلوم ہو جائے تو مجھے یقین ہو جائے گا کہ تمہاری بی بی انسان نہیں جن ہیں۔“  
مرزا مسعودؒ : ”وہ اُنھیں آپ جن کہیں یا انسان مگر میرے پچاس روپیہ  
نہ بھول جائے گا۔“

محمود علیؒ : ”بان ہاں تو دون گا۔ اور گلے گلے پانی دوں گا۔“  
شرط کی تجدید ہوتے ہی مرزا مسعود اندر داخل ہوئے۔ زینہ پر کسی کے  
آنے کی آہٹ سن کے بی فیروزہ کی نظر دروازے سے لگی ہوئی تھی۔ مگر حسیب ہی  
مرزا مسعود کی صورت دیکھی ذرا بن بھٹکے۔ بال اور کپڑے سنبھال لیے۔ مگر بظاہر  
کوئی صورت بنا کے دوسری طرف دیکھنے لگیں لیکن حسیب نے جو اُن کے قریب  
ہی بیٹھے ہوئے تھے مرزا مسعود کی صورت دیکھتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور  
بولے ”آئیے! تمہاری جان کی قسم میں اس وقت دل میں تمہیں کو یاد کر رہا تھا۔“  
محمود علیؒ : ”بھئی آج میں اُنھیں یہ شرط کر کے لایا ہوں کہ اگر آج کا حال اُنکی  
بی بی کو معلوم ہو جائے تو پچاس روپیہ ہاں دوں گا۔“

حاجہ حسینؒ : ”اُنکی بی بی بڑی سیانی ہیں۔ اُنھوں نے کچا انتظام نہیں کیا ہے۔  
کسی نہ کسی طرح خبر ہو ہی جائے گی۔“

محمود علیؒ: کیا بجال جو ان کو کانون کان خبر ہو۔ اگر وہ سیانی میں تو میں بھی بڑا سیانا ہوں۔ اچی میں آج انھیں ایسے راستے سے لایا ہوں کہ ان کے فرشتے خان کو تو خبر ہوگی نہیں۔“

مرزا مسعودؒ: انھیں نہ جاسوس بھیجنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ کوئی گوبندہ لگانے کی۔ انھیں خود بخود سارے حالات معلوم ہو جایا کرتے ہیں۔ اور کل اس کا تجربہ ہو ہی جائے گا۔ گوبندہ اگر بنا بھی سکتا ہے تو فقط اتنا کہ میں یہاں یا تمہارے وہاں آیا تھا۔ لیکن یہاں گھر کے اندر جھینگے جو باتیں کرتا ہوں ان کی فحری کون کر سکتا ہے؟ اور وہ تو ان مقامات کی باتوں کو جان جاتی ہیں جان پرندہ پر نہیں مار سکتا۔“

محمود علیؒ: خیر کیا مضائقہ ہے؟ کل معلوم ہی ہو جائے گا۔ (فیروزہ کی طرف دیکھ کے) اے اب ان کا تصور بھی معاف ہو گا۔ یا یونہیں روٹھی بیٹھی رہو گی۔“

فیروزہؒ: مجھ سے مطلب ہے۔“

مرزا مسعودؒ: کل مجھ سے اتنی گستاخی ضرور ہوئی کہ یہ مہربانی سے میرے پاس آ کے بیٹھیں اور میں وحشت کھا کے بھاگ کھڑا ہوا۔“

فیروزہؒ: وہ تو گوری میری صورت ہی ایسی ہے کہ لوگوں کو دیکھ کے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ وحشت ہونے لگتی ہے۔ ہولین کھا کے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔“

مرزا مسعودؒ: (مسکرا کے) لے بس اس پیاری صورت کو بڑا بھلا نہ کہو۔ تم اس کی پروا نہیں کرتیں تو اس کے بہت سے پروا کرنے والے دنیا میں پڑے ہیں۔“

فیروزہؒ: (ایک ٹنڈی سانس لے کے) ایسی قسمت کہاں!۔“

مرزا مسعودؒ: واقعی مجھے اپنے کل کی حرکت پر نہ امت ہے۔ اسے میری حماقت بے عقلی جو چاہو مجھ کو معاف کر دو۔“

فیروزہؒ: میں معاف کرنے والی کون؟ تصور جا کے ان سے معاف کراؤ جن کا آج کل زور ہے۔ جن کے موکل اندر باہر ہر جگہ تمہارے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ اسے جلدی بھاگو انھیں خبر ہو گئی تو لٹے لے ڈالیں گی۔“

مرزا مسعودؒ: اچی بس اب اس کا ذکر جانے ہی دو۔ آج تو میں دل میں ٹھان کے آیا ہوں

کہ تم سے تصور معاف کرا کے جاؤں گا۔  
فیروزہ: تم نے میرا کون سا تصور کیا ہے جو معاف کروں؟ اور مجھ سے تم سے مطلب

ہی کیا ہے؟

محمود علی: (جھک کے مرزا مسعود کے کان میں) "اجی اپنا شوق اور جوش عشق تو ظاہر کرو بغیر اس کے بھلا یہ لوگ کبھی اصرعی ہوئے ہیں؟"

مرزا مسعود: (فیروزہ سے) "کیا کون کہ دل کی کیا حالت ہو رہی ہے! ہر وقت تھاری صورت نظر کے سامنے رہتی ہے۔ اور کسی طرح قرار نہیں آتا۔ تھاری جان کی قسم میں اپنے دل کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ اور تھاری محبت ہے جو ہر وقت دل میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے۔ اور صبر کی گھر والی کا ڈر ہے کہ انھیں ذرا ذرا سی باتوں کی بھی خبر ہو جاتی ہے۔ تعین انصاف کرو کہ ایسی حالت میں کیا کروں؟"

فیروزہ: بس یہی کہ وہ ان غلبت کو خوش رکھو اور سارے یار آشنا۔ اجاب اور ملنے جلنے والے چوتھے میں گئے۔ اسے میں پوچھتی ہوں کہ تعین ایسا ہی دھڑکا لگا ہے تو پھر بیان آئے کیوں ہو؟"

مرزا مسعود: بے آئے بھی تو نہیں رہا جاتا! کجست دل یوں بھی تو نہیں مانگا۔۔۔  
بس اب غصہ تھوک والو۔ اور میرے پاس آ کے بیٹھو۔

حامد حسین: ہاں بھی فیروزہ اب معاف کر دو۔ ان دنوں یہ اپنے دل کے ہاتھوں بہت مجبور ہیں۔ تم بھی لکھائی کرو گی تو خیال کرو کہ بیچارے کا کیسے بنا ہوا۔ اور میں بھی صاف آدمی ہوں۔ بنی صاحب تعین قدر نہیں۔ خوب یاد رکھو کہ چاہئے والا بڑی مشکلوں سے ملتا ہے۔

فیروزہ: اچھا تھاری خاطر ہے۔ ورنہ میرا تو جی نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کے اپنی جگہ سے ایک خزانے کے ساتھ انھیں۔ اور مرزا مسعود کے برابر آ کے بیٹھ گئیں۔

آج مرزا مسعود کو کل کی سی جشت نہیں ہوئی۔ اور وجہ یہ کہ بی بی نے خود ہی کہہ دیا تھا کہ تعین بھر گئے اور ہول کھانے کی ضرورت نہیں۔ جہاں چاہو جادو منسوبو بین کسی بات کو منع نہیں کرتی۔ وطن کی ان باتوں نے اُن کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ دل میں یوں اطمینان کہ فیروزہ سے کہا ہے اب کھانا تو کھا لو۔

فیروزہ - (وقتہ لگا کے) "آئیں! یہ بھی کوئی کھانے کا وقت ہے؟ ایک بچ چکا ہے۔  
کیا بی گھر والی نے آج کھانا بھی نہیں دیا؟"

محمود علی - "نہیں صاحب وہ تو گھر سے کھا کے آئے ہیں۔ انھیں بی بی بے کھلائے کھائے  
ڈیوڑھی سے قدم تو باہر نکالنے دیتی نہیں ہیں۔ یہ تمھارے لیے کہتے ہیں۔ اے کل سے  
کچھ نہیں کھایا ہے تو کیا اب بھی نہ کھاؤ گی؟ تم بھی واللہ بڑی گری ہو۔ اور جہاں  
کوئی بات دل میں آئی پھر نہیں نکلتی ہے۔ اے انکی ذرا سی رکھائی پر خفا نہیں اب  
انھوں نے اپنا تصور معاف کر لیا۔ چلو چھٹی ہوئی۔ اب پھر وہی وہ ہیں اور وہی تم ہو۔  
فیروزہ - (بگڑ کے) "محمود علی تمھاری یہی باتیں مجھے ابھی نہیں لگتیں۔ لے بھلا اس  
کنے کی کون سی ضرورت پڑی تھی؟ وہ تو گڑی کوئی بات پیٹ میں ٹھہرتی ہی نہیں خدا  
نہ کرے کہ کوئی تمھاری طرح پیٹ کا ہکا ہو۔ جناب امیر کی قسم میں تمھاری اس لگا کی بھائی  
سے بڑی حیران ہوں۔ میں نے نہیں کھایا تو تمھاری بلا سے نہیں کھایا تم کہنے والے کون تھو؟  
محمود علی - (سر کھجکے) "ہاں میرے منہ سے نکل تو گیا۔ مگر اس میں مضائقہ ہی کیا ہے؟"  
فیروزہ - (جھجھلا کے) "تو تمھارے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں یا میرے نزدیک بھی  
نہیں ہے؟ جو بات ہوتی ہے گلوڑی اُلٹی ہی ہوتی ہے؟"

مرزا مسعود - "اچھا پھر خفا ہو لینا۔ پہلے کھانا تو منگواؤ۔"

فیروزہ - "اے تو اب کھانا رکھا ہوا ہے؟ سب کھاپی کے فراغت کر چکے۔"

حامد حسین - "اب مجھ سے نہیں رہا جاتا۔ صاحب مہربان کل سے ہنڈیا چڑھی نہیں  
ہے۔ سب بیٹھے سوکھ رہے ہیں۔ مگر دعوے یہ ہیں کہ کھاپی کے فراغت کر چکے۔"

مرزا مسعود - "لا حول ولا قوہ۔ یہ کون سی بات تھی۔ ایک-دو ذرا اٹھ کے چلا گیا  
اور تم نے کھانا چھوڑ دیا۔"

حامد حسین - "تم نہیں جانتے۔ تمھارے ساتھ ان کو ایسا ہی لگاؤ ہے۔ مگر ان  
یہ کمون گا کہ دل کی مضبوط ہیں۔ مجال کیا کہ اُن نکل جائے؟"

فیروزہ - "بھئی مجھے ایسی باتوں سے نفرت ہے۔ میرے گھر میں چاہے کچھ ہو رہا ہو  
یا میرے دل کی کچھ ہی حالت ہو لیکن میں اس کی روادار نہیں کہ کسی اور کو کانون گان  
خبر ہو۔"

مرزا مسعودؒ: "خیر یہ باتن تو ہوتی ہی رہیں گی۔ پہلے کھانے کی تو فکر کیا ہے؟" ہشتو  
 کہاں گیا؟

فیروزہ: "(ہنس کے)" اسے تم بھی اسے ہشتو کہنے لگے؟ نیچے بیٹھا باتن بنا رہا ہوگا۔  
 فقار اکون سا کام ہے؟"

مرزا مسعودؒ: "تھین اس سے کیا؟ اسے بلواؤ تو سہی؟"  
 بی فیروزہ نے باریک کمزوری دکھائی ہوئی آواز میں پکارا: "اے ہشتو! ہشتو!"  
 جس کے جواب میں اس کی آواز نہ آئی تو محمود علی اٹھ کے باہر گئے اور اسے پکار لائے ہشتو  
 ایک بارہ تیرہ سال کا کانا لونڈا تھا۔ جو فقط روٹی کپڑے پر بی فیروزہ کے یہاں پر رہتا  
 تھا۔ مگر بلا کا تیز اور آفت کا پرکالہ۔

فیروزہ: "(اس کی صورت دیکھتے ہی)" کہاں گیا تھا؟ یہاں پاس نہیں بیٹھتا؟"  
 ہشتو: "اے اس روز جب نواب صاحب آئے تھے آپ ہی نے حکم دیا تھا کہ میرے  
 پاس نہ بیٹھا کرو۔"

فیروزہ: "(گہرے)" "اے شامین آئی ہن مونڈی کاٹے کی۔ مجھے بھی کوئی دہ۔"  
 ہشتو: "(ہنس کے)" "کون نواب؟"

ہشتو: "کیون بتاؤں؟ کچھ کھواؤ تو بتاؤں؟"  
 محمود علی: "دو دن کے فاقوں میں بھی شرارت نہیں لگتی؟"

فیروزہ: "اے میں ہی اسے خوب سیدھا کرتی ہوں۔ دیکھو ٹھہرو کتنی جوتیاں کھلاتی ہوں؟"  
 مرزا مسعودؒ: "(جیب سے دو روپیہ نکال کے)" "ہشتو! ایک ڈیڑھ سو روپیاں۔ چار آنے

کی شیر مالین۔ دو آنے کے کباب۔ پانچ بھر بالائی۔ کچھ روٹی سالن چار آنے کی برنی۔  
 اور چار آنے کی امرتیاں تو لے آؤ۔"

فیروزہ: "افوہ! اسے تو یہ کون کھائے گا؟"  
 محمود علی: "منگوانے دوجی۔ گل سے کسی نے کیا یا نہیں اس سے کم میں نہیں پوری

یہ لے لی۔"  
 انقرض میان ہشتو روپیے کے روانہ ہوئے۔ اور اب بی فیروزہ جان

کی توجہ دعائیت اور انجھا خلوص یک بہ یک بڑھ گیا تھا مرزا مسعود آج تک گئے قریب

قریب بہر بازارِ عورت اور ہر مشہور ریزی کے گھر میں تھے۔ مگر صرف لطف صحبت تھا اور بچہ کے باتیں بنانے کے لیے آج تک ان مقامات میں کبھی انھوں نے ایک پیسہ بھی نہیں صرف کیا تھا۔ اُن کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ یاروں کے چکر میں آکے انھوں نے نہایت بے جگری کے ساتھ باتوں باتوں اور رویوں کا خون کر ڈالا۔ اصل میں یہاں نہ کوئی بھوکا تھا اور نہ کسی کو کھانے کی ضرورت تھی۔ فیروزہ کو پسند بھی نہ تھا کہ بے وجہ اور بے ضرورت مرزا مسعود کا نقصان کرائے۔ مگر حامد حسین اور محمد علی نے اپنے چرند خوردم کے خیال سے ہمارے مرزا کے کٹوانے کا بندوبست کر دیا۔ اب مرزا مسعود بے باتوں باتوں میں جیسے دور و پیہ نکال کے دے دیے تو فیروزہ پر اس کا بہت اثر پڑا۔ انکے حال پر نہایت ہی مہربان ہو گئیں۔ اور بولیں: ”اس گھڑی ان لوگوں نے بیگانہ رفتار انفقہان کر دیا۔ مگر بھئی دیکھو میں پہلے سے کہے دیتی ہوں کہ مجھ سے اس وقت کچھ کھایا پینا نہ جانے گا اور تم خواہ مخواہ کو اصرار کر دو گے۔“

حامد حسین: ”بھوک تو اب مرچکی کھایا کیسے جاسکتا ہے؟ دو ایک نوالے کھا کے پانی پی لینا۔ اور نہ کھاؤ گی تو خواہ مخواہ کو ضعف برے گا۔ ایسی معمولی باتوں میں یہ نہیں کرنے کو دانش پانی چھوڑو۔ مگر تم نے طبیعت ہی کچھ ایسی پائی ہے کہ لاکھ سمجھاؤ نہیں مانتیں۔“

فیروزہ: ”(مرزا مسعود سے) میرے دل کو تم سے لگاؤ ہی ایسا ہو گیا ہے کہ تمھاری ذرا سی تنگی بھی نہیں برداشت ہو سکتی۔ دل میں سوچتی ہوں کہ تم اب جو درد والے ہوئے شادی ہونے سے پہلے ہی تم نے کس کی طرف توجہ کی تھی جواب کرو گے؟“ اور ایسے بیوقوف کو دل دینا ہی کیا۔ مگر دل نہیں مانتا۔“

مرزا مسعود: ”ہاں دل سے دل کوراہ ہوتی ہے۔ یہ میری محبت کا اثر ہے۔ درجہ تمھیں کسی کا کیوں خیال ہونے لگا تھا؟“

فیروزہ: ”اور دن کی اور بات ہے۔ اور تمھاری اور بات۔ تم اتنے دنوں تک ایسی وضع داری کے ساتھ ملتے رہے ہو کہ خواہ مخواہ دل تمھاری طرف کھینچا جاتا ہے۔“

اتنے میں ہشو پوریان وغیرہ لے کے آگیا۔ حامد حسین ان سب چیزوں کو لے کے بڑے اہتمام سے، ترخان بچھایا۔ اور فیروزہ سے کہا: ”اب ہاتھ دھوؤ۔“

فیروزہ: ”مجھے تو بھوک نہیں ہے۔“

محمود علی: ”اجی اب خمرے ہو چکے۔ کھانا کھاؤ پھر اطمینان سے بیٹھ کے باتیں بناؤ۔“  
مرزا مسعود: ”اور کیا میں بے کھلائے رہوں گا؟“

حامد حسین: ”اب لو مانہ کھاؤ گی تو نہ کھاؤ گی؟“  
فیروزہ: ”یہ اسے تو مجھے کچھ انکار متوڑے ہی ہے۔ لیکن جو بھوک ہی نہ ہو تو کیسے کھاؤں؟“  
مرزا مسعود: ”جیسے بنے۔“ یہ کہہ کے زبردستی ہاتھ پرکڑ کے فیروزہ کو اٹھایا۔ کمرے کے باہر لے جا کے اپنے ہاتھ سے اُن کے ہاتھ دھو لئے۔ پھر لاکے دسترخوان پر بٹھالیا۔ اور خود اپنی جگہ پر جا کے بیٹھنے کو کہتے کہ بی فیروزہ بولیں ”اُدنی! اسے وہاں کمان جا کے بیٹھے ہو یا تم نہ کھاؤ گے؟“

مرزا مسعود: ”میں تو ابھی ابھی کھا کے آیا ہوں۔ تمھاری جان کی قسم نہیں کھا سکتا۔“  
فیروزہ: ”ماشا اللہ! کھا سکویا نہ کھا سکو گیں بے کھلائے نہ رہوں گی۔“ یہ کہتے ہی صبح کے اپنے برابر بٹھالیا۔ اور جھٹ نوالہ بنا کے منہ میں دینے لگیں۔  
حامد حسین: ”ہن دونوں خمر ہائے۔ بس اس کی یہی تدبیر ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو کھلا لیں۔“

دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا کہ فیروزہ جان نوالے بنا بنا کے مرزا مسعود کو کھلا تین اور مرزا مسعود فیروزہ جان کو ساس گھر میں کسی کسی وقت مرزا مسعود کو بی بی کا خیال آجاتا۔ اور دل ہی دل میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ ”ان سب باتوں کی خبر تو ہو ہی جائے گی۔ لیکن اگر انھوں نے ذرا بھی اعتراض کر دیا تو کیا جواب دوں گا؟“ پھر خود ہی کہتے ”یہ غنیمت ہے کہ بی بی سخت گیر نہیں۔ اور باوجود جان جانے کے میری کسی بات سے تعرض نہیں کرتیں۔“ اس طرح اپنی غلط چہی کر کے پھر بی فیروزہ کی ناز برداری میں مصروف ہو جاتے۔ اور لڑ لڑ کے اُنھیں کھلانے لگتے۔

کھاتے پیتے اور باتیں کرتے تین بچ گئے۔ اور گھر میں دیکھ کے مرزا مسعود نے کہا ”بس اب میں جاتا ہوں۔“

فیروزہ: ”اے بیٹیو بھی۔ آج رات کو کھانا کھا کے جانا۔“  
مرزا مسعود: ”نہیں۔ بس اب نہیں ٹھہر سکتا۔ گھر میں بیٹی راہ دیکھ رہی ہوں گی۔“



فیروزہ - (ہنس کے) "اے تو وہ نگوڑا کون سا دن ہوگا جب تمہارے دل سے یہ بتو بی بی کا ڈرنکے گا؟"

لیکن ہمارے مرزا صاحب پر اب وحشت سوار ہو چکی تھی۔ اس کا کچھ جواب بھی نہ دیا "خدا حافظ" کہہ کے چل کھڑے ہوئے۔ اور سیدھا گھر کا راستہ لیا۔

## ساتواں باب

بی بی کا غصہ

مرزا مسعود فیروزہ کے کمرے سے تھوڑی ہی دُور گئے ہون گے کہ اپنے اگلا ہون اور اپنی ناعاقبت اندیشی کی حرکتوں پر توبہ ہوا۔ اور دل میں کہنے لگے "آج کی باتیں ایسی ہیں کہ اگر بی بی کو معلوم ہو گئیں تو میں انھیں مُٹھ دیکھانے کے قابل نہ رہوں گا اور معلوم ضرور ہوں گی۔ آخر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں فیروزہ کے وہاں جاتا ہی کیوں ہوں نہ جاؤں گا اور نہ یہ خرابیاں پیدا ہوں گی۔ مگر افسوس بے اُس سے ملے اور اُس کی صورت دیکھنے بھی نہیں رہا جاتا۔ اور اُس کی آج کی باتوں سے تو معلوم ہوتا تھا کہ اُسے مجھ سے محبت ہے اور سچی محبت ہے۔"

اسی قسم کی باتیں کرتے ہوئے چار بجے گھر پہنچے۔ کمرے میں جا کے شہر دانی اتاری قیص اُتار کے تنزیب کا کرتا پہنا۔ پھر باہر چوکی پر بیٹھ کے ہاتھ منہ دھوئے۔ اور توال سے منہ پونچھ رہے تھے۔ کہ عفت آرا باورچی خانہ کے انتظام کو ماما پر چھوڑ کے اور جھٹ پٹ اُتے چند ہدایتیں کر کے میان کے پاس آئی۔ دل میں چور تو تھا ہی۔ بی بی کی صورت دیکھتے ہی مرزا مسعود پسینہ پسینہ ہو گئے۔ عفت آرا دل میں کچھ کچھ سمجھ تو گئی مگر اُن کے مطمئن رکھنے کے لیے غوی۔ آمین! یہ تم کتنی دُور چل کے آئے ہو کہ دشمن پسینہ میں تریز ہو رہے ہیں؟"

پھر فیض بیٹل خدمت کو بلا کے حکم دیا کہ "میان کے نیلکا جھلو"

مرزا مسعود "منہ میں کچھ دُور تو نہیں گیا تھا مگر ذرا تیز اور دوڑتا ہوا آیا ہوں"

عفت آرا "تو ایسی کون سی جلدی پڑی تھی کہ مار کے ہلکان ہو گئے؟"

مرزا مسعودؒ: خیر تو اب چاؤ منگو آؤؑ

عفت آراؑ: محمدی سے کہہ آئی ہوں۔ تیار کر رہی ہے۔ دم بھر میں لائے گی۔ زیادہ جلدی ہو تو میں خود جا کے بنا لاؤں گا۔ اب تو گھڑی میں ٹھہرو گے نا؟ یا کمین جانا ہے؟

مرزا مسعودؒ: جہان جانا تھا ہوا آیا۔ اب کہاں جاؤں گا؟

عفت آراؑ: تم نے باہر جانے کا وقت ہی عجب رکھا ہے۔ ٹھیک دو پہر یا میں مارے پھرتے ہو اور جو وقت سیر و تفریح کا ہے اُس وقت گھر میں بیٹھے رہتے ہو۔ لوگوں کا معمول ہے کہ دو گھڑی دن رہے اپنے کاموں سے فراغت کر کے چاؤ واپسی کے گھر سے نکلتے ہیں۔ اور آٹھ نو بجے رات تک واپس آجاتے ہیں۔ مگر تمھارا طریقہ ہی بڑا لایہ ہے۔

مرزا مسعودؒ: چھا اگر تمھاری مرضی دو گھڑی دن رہے جانے کی ہے تو اسی وقت جایا کروں گا؟

عفت آراؑ: میری مرضی سے کیا تعلق؟ تمھارا جس وقت جی چاہے جایا کرو۔ میں فقط تمھیں مشورہ دے دیا کرتی ہوں۔ اگر یہ بھی تمھارے خلاف گزرتا ہو تو نہ سہی۔

عفت آراؑ کے ان الفاظ میں ناراضی کی بو آتی تھی۔ مرزا مسعود کے دل میں چور پہلے ہی سے موجود تھا سمجھ گئے کہ سب باتیں بی بی کو معلوم ہو گئیں۔ قریب تھا کہ اپنی بی بی کا رخ کو خود ہی قبول دین اور عجز و الحاح سے غدر خواہی کریں۔ مگر دل میں کہا آج محمود علی سے پچاس پچاس روپیہ کی شرط ہو چکی ہے۔ خود یہ جب تک اپنی زبان سے نہ بتائیں میں کچھ نہ ظاہر کروں گا۔ اور ماننے کے طور پر کہنے لگے ”مجھے تم سے کسی بات کی شکایت نہیں۔ جانتا ہوں کہ تم جو کچھ مشورہ دیتی ہو میرے بھلے ہی کے لیے ہوتا ہے۔“

عفت آراؑ کی حالت و صورت سے سمجھ گئی تھی کہ آج بھی یہ کسی اچھی جگہ نہیں گئے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں میں رہے ہیں جو انھیں خراب کرنے والے ہیں۔ بولی میں یقین اچھا مشورہ نہ دوں گی تو نہ دوں گی؟ جانتی ہوں کہ تمھاری ہی بھلائی کے ساتھ میری بھلائی ہے۔ اور تم ہی تک میں ہوں۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ جب تک تم اپنی صحبت نہ بدلو گے گھر کی خیریت نہیں ہے۔

یہ الفاظ سننے ہی مرزا مسعود کا نیب گئے۔ اور دل میں کہا ”یقیناً انھیں سب باتوں کی خبر ہو گئی۔ اور خرابی یہ ہے کہ آج میں نے جو کام کیے ہیں وہ کسی طرح معافی

کے قابل نہیں ہیں۔ آخر ذامت کے ساتھ جواب دیا "میں تمھارے کہنے سے باہر  
نہ ہوں گا۔"

عفت آرا "آج میں تم سے ایک بات کہتی ہوں۔ لیکن پہلے وعدہ کر لو کہ بُرا تو  
نہ مانو گے۔"

مرزا مسعود "ہنیں۔ میں ہرگز بُرا نہ مانوں گا۔ تمہیں جو کہنا ہو شوق سے کہو۔"  
عفت آرا "تم ماشاء اللہ سے پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ ہو۔ انگریزی میں اتنی  
یاقت ہے کہ کسی صحبت میں کسی سے کم نہیں سمجھے جاسکتے۔ پھر اس کے ساتھ شریف  
اور عالی خاندان ہو۔ یہی نہیں گھر سے خوش حال بھی ہو غریب و محتاج نہیں کہ کسی  
ساتھ آنکھ بچی ہو سکا جس اچھی سے اچھی صحبت میں جاؤ گے لوگ ہاتھوں ہاتھ لین گے  
اور سر آٹکھوں پر ہاتھیں لگائیں گے۔ پھر کیا بات ہے کہ تم کو اچھے اور معزز لوگوں کی صحبت میں  
نطف نہیں آتا۔ نہ کہیں نہیں ایسے لوگوں کے پاس آتے جاتے سنتی ہوں جب سُنا  
یہی کہ او نے وجہ کے ذیل لوگوں میں تھے۔ آخر یہ کیا بات ہے؟"

مرزا مسعود "ہاں یہاں کے معززین سے تو مجھ سے بالکل راہ و رسم نہیں جب  
میں تعلیم کا سلسلہ جاری رہا کسی سے ملنے کی فرصت نہ تھی۔ مگر ان لوگوں سے اتفاقاً  
ملاقات ہو گئی۔ اور پھر وہ کچھ اس طرح جی کھول کے ملنے لگے کہ صحبت بڑھی اور  
میری آمد و رفت زیادہ ہو گئی۔"

عفت آرا "تقریباً ہنیں۔ سنا دی بیاہ میں۔ اور اسی طرح کے اور بہت  
سے موقعوں پر ممکن نہیں کہ تم یہاں کے ذی علم اور معزز لوگوں سے نہ ملے ہو۔"  
مرزا مسعود "ہاں کیوں نہیں؟ بارہا ملنے کا اتفاق ہوا ہے۔"  
عفت آرا "پھر ان سے راہ و رسم کیوں نہ پڑھا؟"

مرزا مسعود "اس کو میں سوا اتفاق کے اور کیا کہہ سکتا ہوں؟ بات یہ ہے  
کہ جس صحبت میں انسان کا ایک وفد دل لگ جاتا ہے اسی صحبت میں دوبارہ جایا کرتا  
ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جو کوئی آہستہ بھٹکے ملتا ہے اُسی سے خود بھی ملنے کو  
جی چاہتا ہے۔ ان لوگوں کی باتوں میں مجھے لطف آیا۔ اور پھر انھوں نے ملاقات  
کے بڑھانے کی کوشش کی زیادہ لطف پیدا ہو گیا۔ دیگر امرا اور صاحبِ علم لوگوں

سے ملنے کا تو اکثر اتفاق ہوا۔ مگر اُنھوں نے میری طرف چند ان توجہ نہ کی۔  
 پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ میرے دل میں اُن سے ملنے کا شوق پیدا ہو گیا۔  
 عفت آراؒ: ”ہاں یہ تم نے سچ کہا۔ لیکن کبھی تم نے اس پر بھی غور کیا کہ ان  
 لوگوں نے جن سے تم ملتے ہو تمھاری طرف توجہ کی تو کیوں کی؟ اور ان لوگوں  
 نے جو زیادہ اشتیاق نہیں ظاہر کیا تو کیوں؟“

مرزا مسعودؒ: ”نہیں میں نے ان باتوں کا کبھی خیال نہیں کیا۔“  
 عفت آراؒ: ”تو اچھا آج اس پر غور کرو اور کل مجھے بتانا کہ اس کا کیا سبب  
 تھا؟ اب دل بہت کمزور رہ گیا ہے۔ مجھے ابھی کھانے وغیرہ کا انتظام کرنا ہے۔“  
 پچھلے ہی جان (داس) سبب کاموں کو دیکھ لیتی ہیں۔ اور نہیں پسند کرتیں کہ  
 میں زیادہ کام کاج میں بھنسی رہوں مگر میں نہیں چاہتی کہ انھیں تکلیف ہو۔  
 کو سات بجے سے نو بجے تک بیٹھ کے پڑھنا اور سبق یاد کرنا ہے۔ اس لیے مجھے بجا  
 دو کہ دم بھر کے لیے جا کے سب کاموں سے فراغت کر آؤں۔“

مرزا مسعودؒ: ”جاؤ۔ مگر میں اکیلا بیٹھ کے گھبراؤں گا۔“  
 عفت آراؒ: ”اسی لیے کہتی ہو کہ دوپہر کو مارے مارے پھرنے کے بجائے  
 تم اس وقت گھر سے نکل کے سیر کیا کرو۔ لیکن اگر اس میں کوئی مضائقہ ہے تو مجھے  
 اصرار نہیں۔“

مرزا مسعودؒ: ”خیر دیکھا جائے گا۔ اب تم جا کے اپنا کام کرو۔“  
 اسکے بعد عفت آراؒ نے ایک گھوڑی بنا کے مرزا مسعود کو دی اور اٹھ  
 کے چلی گئی۔ اُس کے جانے کے بعد مرزا مسعود نے دل بہلانے کے لیے ایک  
 ناول اٹھا لیا۔ جو ابھی حال میں شائع ہوا تھا۔ اور لوگوں میں اُسکی شہرت  
 ہو رہی تھی۔ ناول بہت ہی دلچسپ تھا۔ اور ممکن نہ تھا کہ کوئی اُس کے دو  
 چار صفحے پڑھے اور بے ختم کیے رہ سکے۔ مگر مرزا مسعود کی یرِ شان خیالی اس قدر  
 بڑھی ہوئی تھی کہ ہر واقعہ پر کوئی ایسا واقعہ یاد آ جاتا اور اُسی میں بھنسنے کے رہ جاتا۔  
 تیسرے باب میں مصنف نے ہیر و سنی کے حسن و جمال کی تصویر کشی میں زور دیا  
 دکھایا تھا۔ اُس کے چشم و ابرو۔ لب و زخار۔ اور خط و خال سے مرزا صاحب کا خیال

بی فیروزہ جان کے چہرے پر جا پہنچا۔ اور دل میں کہنے لگے ”ہر مصنف کا معمول ہے کہ کسی حسن کا نقشہ کھینچتے وقت کسی پری جمال کے چہرے کو پیش نظر کر لیا کرتا ہے۔ اس کا اول کے مصنف نے جس وقت یہ خیالات ظاہر کیے ہیں۔ اور حسن کی دلفریبی کو دکھانا چاہا ہے معلوم ہوتا ہے فیروزہ ہی کی صورت اُس کے خیال کے سامنے تھی۔ ورنہ اتنی مشابہت نہیں پیدا ہو سکتی تھی“ کچھ دیر تک تو اس سراپا کے ایک ایک نغمے کو زیادہ مزہ لے لے کے پڑھا۔ اور پھر ناول کو چھوڑ کے اپنے انکار و تردید میں پڑ گئے۔ اور کہنے لگے ”یہ کیوں ممکن ہے کہ ایسی دلربا صورت کو چھوڑ دوں۔ خصوصاً جبکہ وہ مجھ سے محبت بھی رکھتی ہے“

اب شام ہو گئی تھی۔ آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ پیلو ریزے جوش و خروش کے ساتھ آباد اور پر شور دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ بتکدوں میں گھنٹوں تھالیوں اور سنگھوں کی آواز سے شور مچ رہا تھا۔ اور انھیں میں ملی ہوئی منادیان توجید یعنی موزفون کی آوازیں مسجدوں سے آ رہی تھیں۔ آسمان پر فرشتوں نے تاروں کے چراغ روشن کرنا شروع کیے۔ اور دُنیا میں بھی ہر گھر میں روشنی کا اہتمام ہو رہا تھا۔ اور چراغ روشن ہوتے جاتے تھے۔

یہ حالت اور وقت دیکھ کے عفت آرا مغرب کی ناز پڑھنے کے لیے اپنے کمرے میں آئی۔ اچھی کماری کو ٹیکار کے حکم دیا کہ کمرے میں لیپ روشن کر دو۔ اس اثنا میں اُس کی نظر مرزا مسعود پر پڑی تو نظر آیا کہ ناول اُنکے ہاتھ میں ہے۔ نظر زمین پر جمی ہوئی ہے۔ اور دل خدا جانے کہاں ہے۔ اُن کے اس عالم استغراق کو ذرا بٹھکے غور اور حیرت سے دیکھا۔ پھر مسکرا کے بولی ”اے یہ تم کتاب پڑھ رہے ہو؟“

مرزا مسعود۔ (چونک کے اور اپنے کو سنبھال کے) ”ہاں کتاب دیکھتے دیکھتے میں کسی اور فکر میں پڑ گیا تھا“

عفت آرا۔ میں یہ تو نہ پوچھوں گی کہ وہ گوری کون سی ایسی فکر ہے جس نے ایسی دھچپ کتاب بھی بھلا دی۔ لیکن اب مغرب کا وقت آخر ہو جاتا ہے۔ نماز بھی یاد ہے یا اسے بھی بھول گئے؟“

مرزا مسعودؒ ہاں پڑھوں گا۔ اور اب کام کا وقت آ ہی گیا۔ نماز کے بعد ہم کو  
تم کو اپنی اپنی کتابیں لے کے بیٹھنا ہے۔

عفت آراؒ کیا قانون کی کتابوں کو بھی ایسی ہی توجہ سے پڑھا کرتے ہو جیسے کہ اس  
وقت اس ناول کو پڑھ رہے تھے؟ اسی طرح کا مطالعہ ہے تو خدا ہی حاکم ہے۔ اور  
میں سمجھتی ہوں کہ قانون کی کتابیں اگر اسی طرح پڑھا کر وٹے تو ایک سال کیسا دس  
سال میں بھی پتہ نہ لگ سکے گا کہ اس علم سے فقہاری طبیعت کو مناسبت ہے یا نہیں؟  
مرزا مسعودؒ بیشک۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہفتہ ہی دو ہفتہ کے اندر میں  
ان کتابوں کو پوری توجہ سے پڑھنے لگوں گا۔ اور ابھی دو چار روز کے لیے اگر مجھے  
بے توجہی ظاہر ہو تو تم معاف کر دو۔

عفت آراؒ۔ (خلاف عادت ذرا زور سے منہس کے) دین معاف کرنے والی  
کون؟ سچ بوجھ تو یقیناً ان کتابوں ہی سے معافی مانگنی چاہیے جنہیں بے توجہی سے  
پڑھ کے تم ان کی توبہ نہیں کرتے ہو۔ یا خود اپنی ذات سے قصور معاف کراؤ۔ جس پر  
ضروری تعلیم کی طرف سے بے پرواہی کے تم انتہا درجہ کے ظلم کرتے ہو؟

مرزا مسعودؒ واللہ فقہاری طبیعت داری کا بھی قائل ہوں۔ میں نے اس زندگی  
میں جتنی عورتیں دیکھیں ان میں سے کسی میں بھی یہ بات نہیں پائی۔ اور نہ میرے خیال  
میں کبھی گزر رہا تھا کہ عورتوں میں بھی ایسی خیال آفرینی ہو سکتی ہے۔ تم اگر شعر کہتی ہو  
تو بڑی نازک خیال شاعرہ ہو تیں۔ اور اس نازک اندامی پر نازک خیالی خدا جانتے  
یقین کیا ثابت کر دیتی؟

عفت آراؒ نے بس اب زیادہ داد نہ دیجیے۔ اور ایسا نہ ہو کہ میری تندرستی  
کے کچھ مغرب کی نازا لفظ ہو جائے۔

مرزا مسعودؒ ناز کیوں لفظ ہونے لگی تھی؟ یہ کہتے ہی مرزا مسعود وضو کرنے  
کے لیے باہر گئے۔ اور عفت آراؒ نے جسے وضو تھا جا ناز بھائی۔ اور نیت باندھ کے ناز  
میں مشغول ہو گئی۔ وہ ناز ہی میں تھی کہ مرزا مسعود نے بھی اس کے ناز شروع کی اور قبل  
اس کے کہ وہ سلام پھیریں عفت آراؒ کے پیراہن پہن چلی گئی۔ اس کے جانے کے پانچ  
دھنٹ بعد مرزا صاحب ناز سے فارغ ہوئے۔ کمرے میں لیپ روشن تھا۔ اور

مقررہ مطالعہ شب کا وقت آگیا تھا۔ دل میں کہا ”آج اتفاق سے مجھے بھی موقع مل گیا ہے کہ بی بی کو ٹوکوں کہ وقت آگیا اور کتاب سارے کے نہیں پڑھتیں۔ وہ روز مجھے کسی نہ کسی بات پر ٹوک دیا کرتی ہیں اور مجھے قائل ہو جانا پڑتا ہے۔ آج مجھے موقع مل گیا ہے تو چونکہ چاہیے۔ کیونکہ پھر ایسی گرفت کا موقع نہ ملے گا۔ دل میں یہ منصوبہ طے کر کے آواز دینے ہی کو تھے کہ عفت آرا خود ہی آگئی اور بی بی نے اسے ٹوکنا بون کے مطالعہ کا وقت آگیا۔ این تم نے ابھی تک اپنی کتابیں نہیں نکالیں؟“

مرزا مسعودؒ نے اسی کا منتظر تھا کہ تم آؤ تو کتابیں نکالوں؟“  
عفت آراؒ نے لو میں بھی آگئی؟“ یہ کہتے ہی لپکتے اپنی کتابیں اٹھا لائی اور پیسے قریب بیٹھ گئی۔ مرزا مسعودؒ نے بھی اپنی قانون کی کتابیں نکالیں۔ پھر عفت آرا کی طرف دیکھا اور بولے ”واللہ میں تم سے کبھی پیش نہ پاؤں گا“  
عفت آراؒ نے یہ کیوں؟“

مرزا مسعودؒ نے اس وقت دل میں ارادہ کر رہا تھا کہ تمہیں ٹوکوں اور کہوں کہ کتب بینی کا وقت آگیا اور تم غائب ہو۔ لیکن زبان سے ہنوز کہنے نہیں پایا تھا کہ تم خود ہی آہو پوچھیں۔ خیر اب ایسا کام کرو۔ کیونکہ اب قانون کا وقت نہیں ہے۔“  
اس کے بعد ۹ بجے تک دونوں میان بی بی کتب بینی میں مشغول رہے۔ مرزا مسعودؒ بعض اوقات کتاب دیکھتے دیکھتے کسی سوخ میں پڑ جاتے۔ اور ایسی حالت میں جب کبھی عفت آرا کی نظر اٹھ جاتی تو وہ بے تکلف ”اے تم کہاں ہو؟“ کہہ کے چونکا دیتی اور وہ پھر اپنے مطالعہ میں مشغول ہو جاتے۔

گھڑی میں نو بجتے ہی دونوں نے اپنی اپنی کتابیں بند کیں۔ اور باتیں شروع کرنے کو تمہیں کہ عفت آرا نے کہا ”جو جی چاہیے تو میری کتاب کے دو چار صفحہ سن لو“ مرزا مسعودؒ اجازت دی۔ اور عفت آرا نے ”سینڈ فورڈ اینڈ مرٹن“ کے چار صفحہ سنائے۔ دو چار فقرہ دیکھ کر وہ شبہ تھا اُن کا مطلب سمجھا اور دروازہ کھول کے باہر کو خاصہ لانے کا حکم دیا۔ حکم کے ساتھ ہی اچھی کماری نے سلفی آفتابہ لاکے ہاتھ دھلائے۔ فیض نے دسترخوان بچھا کے کھانا بنایا۔ اور دونوں میز کے کھانے لگے۔  
کھانے سے فراغت ہوتے ہی عشا کی نماز پڑھ کے دونوں اپنے اپنے پڑگ

پر لیٹے۔ اور نیند کا انتظار کرنے لگے۔ رات نہایت ہی خاموشی میں گزری۔ اور سو  
اس کے گل کی طرح آج بھی مرزا مسعود کی جب آنکھ کھلی بی بی کو جاگتے ہی پایا اور  
کوئی بات نہیں پیش آئی۔

صبح کو مرزا مسعود وضو و نماز سے فراغت کر کے اور چار بی کے بیٹھے تھے کہ  
عفت آرا نے ایک گھوری بنا کے دی۔ اور کہا ”تم قانون کی کتابیں دیکھتے تو ہو مگر  
میرے نزدیک ایک بات کی اور ضرورت ہے اور سخت ضرورت جس کے بغیر  
قانون سے امن پیدا ہونا مشکل ہے“

مرزا مسعود ”وہ کیا؟“

عفت آرا ”تم کسی وکیل یا ایسے شخص سے جس کا پیشہ ہی قانون ہو راہ و رسم  
پیدا کرو۔ اور روز اس کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ اور اگر بن پڑے تو اس کے حشر سے  
مل کے مقدموں کے چلانے کا طریقہ اور اس کی کارروائی دیکھا کرو۔ یوں قانون سمجھ  
میں بھی خوب آئے گا۔ اور محققین اس کے برتنے کی کیفیت نظر آئے گی۔ اور بات یہ ہے  
کہ جب تک تم وکیلوں میں مبتلا نہ آؤ گے ان کی بحثیں نہ سہو گے۔ اور ان کے سوال و جواب نہ  
دیکھو گے تمہارے دل میں قانون کا شوق نہیں پیدا ہو سکتا۔ میرے نزدیک تو تم  
خود ہی کوئی ایسی صحبت ڈھونڈ نکالو۔ اور جو تم سے نہ بنے تو میں کوشش کروں گا کہ کسی  
قابل اور مشہور وکیل سے ملوا دوں۔“

مرزا مسعود ”تم کیسے کوشش کرو ملو اور دے گا۔“

عفت آرا ”تین ابا جان (سسرے) سے کہوں گی۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ  
کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کر دیں گے۔“

مرزا مسعود ”(ذرا تامل کر کے)“ بھی سچ پوچھتی ہو تو میرا جی نہیں چاہتا کہ پرانے  
دوستوں کو چھوڑ کے نئے احباب پیدا کروں۔“

عفت آرا ”تو پھر (ایک ٹھنڈی سانس لے کے) اس گھر کا خدا ہی حافظ ہے۔“

مرزا مسعود ”(حیرت سے)“ یہ کیوں؟“ اور یہ کہتے ہی بی بی کے چہرے پر نظر ڈالی  
تو اس کا خوبصورت چہرہ اندرونی جذبات سے تھما اٹھا تھا۔ کسی غیب دان کا ہنہ  
کی طرح اس کے خط و خال پڑا سرا رہن گئے۔ آنکھوں سے روحانی قوت والے مرزا مسعود



کی سی چمک اور ہر نظر پر غالب آ جانے والی تیزی نمایان ہوئی اور نہایت ہی خوش  
میں بھری آواز میں بولی "اس لیے کہ تمہارے دوست صرف دو پچے شہدے  
میں اور ایک بازار کی بیٹھنے والی فاحشہ عورت۔ تم گھر سے نکل کے دو قدم نہیں  
جانے پاتے ہو کہ وہ بھیجیں آ لیتے ہیں۔"

مرزا مسعود۔ (دل مضبوط کر کے) "اچھا بتاؤ کہ کل مجھے راستہ میں کون ملا تھا؟"  
عفت آرا "تم اسی سوچ میں تھے کہ کمان جاؤں کہ محمود علی مل گیا۔ تم نے اس  
بات کا اندیشہ ظاہر کیا کہ مجھے ہر بات کی خبر ہو جاتی ہے۔"

مرزا مسعود۔ (ندامت کے ساتھ) "بے شک سچ ہے۔ یہ کہہ کے بی بی کی صورت  
دیکھی تو میرا سر اجیرے میں طیش اور غضب کے آثار نمایان تھے۔ ناگمان ایک زہر خند  
پیارے پر خوش چہرے کو گویا جبرائش بنا دیا۔ اور بولی "میری وجہ سے آج  
تم کو پچاس روپیہ مل جائیں گے اور سچ پوچھتے ہو تو ان پر میرا حق ہے۔ لیکن میں ایسی  
جوئے کی حرام رقم کو لینا نہیں چاہتی۔"

اب مرزا مسعود کی حالت دگرگون تھی۔ چہرے پر گویا خون کی چھینٹ بھی نہیں  
باقی تھی۔ کاٹو تو لمونہ تھا بدن میں۔ دل دھڑک رہا تھا۔ اور ہاتھ پاؤں میں عیش  
پڑا جاتا تھا۔ سمجھی ہوئی نظر اٹھا کے بی بی کا بڑا جلال چہرہ دیکھتے اور خوف و ندامت  
کے دباؤ سے پھر آنکھیں نیچے جھٹک جاتیں۔ اتنے میں عفت آرا نے کہا "اب تمہیں  
روپیہ کی ضرورت بھی زیادہ ہے۔ ایسی تدبیروں سے نہ پیدا کرو گے تو کمان سے  
آئے گا؟ کل بیٹ بھری فاقہ زدہ کے کھانے کے لیے دو روپیہ کی پوریان۔ شیر مالین۔  
بالائی اور مٹھائی آئی تو آج ان کا دوزخ بھرنے کے لیے چار روپیہ کی ضرورت ہوئی  
اور اسی پر کیا موقوف ہے محمود علی اور حاجتین کی کوشش سے صفائی ہو گئی  
ہے۔ تم نے اپنا قصور معاف کر لیا ہے۔ فیروزہ کے حسن و جمال کی بلاتناقصین  
محمود علی کے اشارے سے ہو ہی چکی ہیں۔ اپنی فریفتگی اور دل کے ہاتھ سے نکل  
جانے کا اقرار کر ہی چکے ہو۔ اب کیا ہے روز بروز روپیہ کی زیادہ ضرورت پیش  
آئے گی۔ پھر ایسے طریقوں سے روپیہ نہ کماؤ گے تو دلداری و ناز برداری کیسے  
ہو گی؟"

اب مرزا مسعود میں زیادہ سنسنے کی تاب نہ تھی۔ بے اختیار ہاتھ جوڑ کے بی بی کے پاؤں پر گر پڑے۔ اور کہا ”تم جو کچھ کہتی ہو سچ ہے۔ سرسود فریق نہیں۔ اور بیشک میں تمہارا گنگا رہوں“

عفت آرا۔ (بڑے ہی جوش سے) ”میرے سرگز گنگا رہنیں۔ جو گنگا رہو تو تم خدا کے گنگا رہو۔ رسول کے گنگا رہو۔ خاندان کے گنگا رہو۔ اپنے مان باپ کے گنگا رہو۔ اور خود اپنے اور اپنے ایمان کے گنگا رہو“

مرزا مسعود بدبشک گنگا رہوں۔ اور ان سب کا گنگا رہوں۔ میرا نفس خود مجھ پر لعنت ملاست کر رہا ہے“

عفت آرا یہ لیکن اس کا کیا علاج کہ جس صحبت میں تم پڑے ہوئے ہو اُسکے لیے روپیہ کی ضرورت بڑھتی ہی جاتے گی۔ کل شرط جیت کے تم نے روپیہ پیدا کیا۔ آج جوے خانے میں پہنچو گے۔ اور کل جب ان تیرہ بیرون سے بھی روپیہ نہ ملیگا تو چوری کو منکھو گے“

مرزا مسعود (سرسے پاؤں تک کانپ کے) بس! اب اس سے زیادہ سنسنے کی تاب نہیں۔ خدا کے لیے میرا قصور معاف کر دو۔ اور اپنی زبان کو روکو۔ اب اس سے بڑھ کے زیادہ ذلت نہیں ہو سکتی۔ اور خود میری نظریں اسوقت ساری دنیا میں مجھ سے زیادہ ذلیل و قابل نفرت کوئی نہیں ہے۔ میں تمہارے کہنے سے باہر نہیں ہوں۔ خود تم نے اجازت دی تھی جس کی وجہ سے مجھے وہاں جانے کی جرأت ہوئی۔ ورنہ میں ہرگز نہ جاتا۔ اور اب اگر تم منع کرتی ہو تو اقرار کرتا ہوں کہ نہ جاؤں گا“

عفت آرا ”تو ان باتوں کا لازم تم مجھے ٹھہراتے ہو! مان۔ بان میں لازم ہوں اور میں نے کہا تھا کہ دل بہلانے کے لیے چلے جایا کرو۔ لیکن اُس وقت تک تمہاری اس صحبت کو ایسا نہیں سمجھ ہوئی تھی۔ تمہارے ان ٹوے دوستوں کو میں شریف نیک اور تمہارا اخیر خواہ جانتی تھی۔ اب اب معلوم ہوا کہ وہ مونڈی کاٹے شہد سے بچے اور فیروزہ کی دکان داری کے دلال ہیں۔ فیروزہ کے ساتھ تم کو جانیس تھا اس کو تمہاری پاکبازی اور نیک نفسی پہچان کر کے میں تمہارے حق میں اتنا برا نہیں جانتی تھی۔ مگر اب معلوم ہوا کہ وہ مردار پوری حرافہ ہے۔ اور تم میں وہاں

نہیں جس کا مجھ بڑا بھر و سہ تھا“

مرزا مسعود ”ہاں میرے قدم کو لغزش تو ہو گئی“

عفت آرا ”تمہارے دل میں بھی ہوئی ہے کفر و زہ کو تم سے دلی محبت ہے مگر اُس کا حال مجھ سے سنو۔ وہ پوری زندگی ہے۔ اور یقین پھانس کے تباہ کرنا چاہتی ہے۔ اور تمہارے دونوں دوست اُسکی سازش میں شریک ہیں۔ اور اُن میٹر میں لگے ہیں کہ یقین گھر بار سے پھڑکے تباہ و برباد کریں۔ اور تمہاری دولت لٹوا کے مزے اُڑائیں۔ تمہارے گھر اب میں آگ لگاؤں اور خود بیچ کر تباہ کر دوں“ مرزا مسعود ”میں تو انکو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن تم کہتی ہو تو سچ ہی ہو گا۔ مجھے بحال انکار نہیں“

میان کوہرات پر اور ہر بار اظہارِ عجز کرتے دیکھ کے عفت آرا کا جوش کم ہوا۔ فوراً نرم پڑی اور کہا ”اے اب بڑھنے کا وقت آگیا۔ اپنی کتابیں نکالو۔ اور میں بھی باورچی خانہ کا انتظام کر کے آئی ہوں“ مرزا صاحب کو بہت قیمت معلوم ہوا۔ جھٹ اپنی کتابیں اُٹھا کے مطالعہ کرنے لگے۔ دم بھر میں عفت آرا بھی آگئی۔ اور دفنان میان بی بی کرے میں بند ہو کے اپنی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔

## آٹھواں باب

”روز روز کا کچا چٹھا پہلن ہو پونج جاسے“

کل مرزا مسعود جیسے ہی فروزہ کے گھر سے اُٹھ کے آئے محمود علی نے ایک قہقہہ مار کے کہا ”بھئی کھانے خوب کھانے میں آئے مگر (فروزہ سے) بی صاحب تم تو اتنے ہی پر سے اُٹھ رہی جاتی تھیں“

فروزہ ”ہاں مجھے تمہاری یہ بات پسند تو نہیں آئی۔ عفت میں بیچارے کے دروپیہ خواہ خواہ کو گلو اڑیے“

محمود علی ”جی جاسے۔ دل میں ایسا ہی ترس خدا ہے تو یہ پیشہ چھوڑ دو۔ تمہیں اپنے مطلب سے مطلب رکھنا چاہیے۔ کسی کے لئے یا تباہ ہونے سے غرض ہے“

حامد حسین ”مگر انہیں اُن کے ساتھ محبت بھی ہے۔ بیچارہ دل کے ہاتھوں

محبور بن۔

حامد حسین کی باتوں سے پہلے تو فیروزہ سمجھی تھی کہ یہ میری طرف داری کر رہے ہیں مگر جب آخرین انھوں نے بنانا شروع کیا تو اُن کی صورت دیکھ کے خاموش ہو رہی۔ پھر محمود علی کی طرف دیکھ کے کہا: ”اجی اب جا کے پچاس روپوں کی فکر کرو۔ میں ابھی سے کہے دیتا ہوں کہ مرزا مسعود کی جو روکو کل کی تمام باتوں کی خبر ہو گئی ہو گی۔ اور تھوڑی دیر میں آ کے وہ روپیہ کا تقاضا شروع کریں گے۔“

محمود علی: ”جاؤ اپنا کام کرو۔ یہاں سچی گویاں نہیں بھیلے ہیں۔ آخر انھیں خبر ہو جائے گا کوئی ثبوت بھی دین گے۔ یا یونہی تقاضا شروع کر دیں گے؟“

فیروزہ: ”دھاندلی کی اور بات ہے درنہ مرزا جی کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔“

محمود علی: ”مگر جس بارے میں خود ہی وعویدار اور خود ہی جیتے والے ہوں اُس میں نقطہ اُن کے کہنے سے کون مان لے گا کہ میں ہار گیا ہوں ہرگز نہیں ہو سکتا۔“

فیروزہ: ”تو تم نے یہ پہلے ہی کہہ دیا ہوتا کہ اپنے جیتنے کا ثبوت بھی پیدا کر رکھو تاکہ وہ گواہی کا انتظام کر رکھتے۔“

محمود علی: ”مجھے کیا عرض پڑی تھی کہ مفت میں انھیں اپنے خلاف سبق پڑھاتا کیا وہ سمجھتے ہیں؟ سمجھتے نہیں ہیں؟“

حامد حسین: ”واہ استاد! وہ ادا شدہ مانا ہوں۔ اس مڑک کا تو میں بھی قائل ہو گیا۔ مرزا مسعود ہزار لکھ پڑھ جائیں مگر ابھی لونڈے ہیں۔“

محمود علی: ”ہی ہین۔ خالی خولی بی۔ اتے ہو جانے سے یاقت تھوری ہی آجاتی ہے۔ چند روز ہمارا ہی محبت میں ٹھہریں گے تو آدمی بنیں گے۔“

فیروزہ: ”خیر یہ تو ہوتا ہی رہے گا۔ مگر اب ہمیں کوئی ایسا جاسوس پیدا کر لینا چاہیے جس کے ذریعہ سے اُن کے گھر کے اندر کے روز روز کے حالات معلوم ہو جائیں۔ اور میان بی بی میں بائیں ہوں اور اُدھر ہمارے پاس تار بری پہنچ جائے۔“

حامد حسین: ”پس ہاں روز روز کا کچھ میان پہنچ جائے۔ بغیر اس کے کام نہیں چلے گا۔“

فیروزہ - مرزا مسعود کی طرف سے کوئی اندیشہ نہیں۔ وہ تو بال باندھے غلام ہیں۔  
ہاں خوف ہے تو ان کی بی بی کا ہے۔

حاجہ حسین - بڑی سیانی عورت ہے۔ ہے تو ذرا اسی مگر جتنی اوپر سے اتنی ہی  
زمین کے نیچے بھی ہے۔

محمود علی - اچھی تم دیکھ لینا۔ اُسے بھی ایسا زہر کیا ہو کہ زندگی بھر یاد کرے لے  
خدا حافظ۔

فیروزہ - اے کمان چلے؟

محمود علی - اسی فکر میں جاتا ہوں۔ ابھی تک تو میں اس معاملہ کو معمولی سمجھتا ہوں  
تھا۔ مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ بے دوڑے دھوپے کام نہ چلے گا۔

فیروزہ - اچھا جاؤ۔ مگر مجھے دہان تھا رہی وال گلابی نہیں نظر آتی۔

محمود علی - ایسی وال گلابی کہ تم بھی کہو۔ آسمان میں لکھی تو میں لکھا دوں گا۔

یہ کہنے کے میان محمود علی جو یہاں سے چلے تو سیدھے مرزا مسعود کے محلہ میں  
پہنچے۔ اُس وقت کوئی تین کا عمل تھا۔ دُھوپ کی حدت اگرچہ ابھی کم نہیں ہونے

کو آتی تھی مگر بازار کی رونق کچھ بڑھنے لگی تھی۔ ابھی وہ وقت تو نہیں آیا تھا  
کہ شرفاہو اخری کے لیے گھرتے نکلین۔ مگر مائیں اور خدمتگار گوشت ترکاری اور

دیگر ضروری چیزیں خریدنے کے لیے اپنی اپنی ڈیوڑھیوں سے نکل چکے تھے جو  
بنیوں کبریاؤں اور بکر قصابوں کی دُکانوں کا چکر لگا رہے تھے۔ اور اُنھیں لوگوں کی

آمد و رفت سے بازار کا وہ ستا جاو دُھوپ کی تپش اور ہر ادنیٰ وال علی کے گھر وں میں  
چھپ کے بیٹھ رہنے سے پیدا ہو گیا تھا مو قوت ہونے لگا تھا۔ میان محمود علی دُھوپ

سے بیچنے کے لیے بی بی کے چٹے ہوئے گلابی دو پیڑ میں سر اور منہ چھپائے مرزا مسعود  
کے مکان کے آس پاس تادے لگا رہے تھے۔ کوئی کوئے یار کی خاک چھانتا ہے

وہ اپنے دوست مرزا جی کی گلی کی خاک چھان رہے تھے۔ چلتے چلتے مرزا صاحب کی  
ڈیوڑھی کا خدمتگار مدار بخش ایک پیالہ اور ایک دودھ دان ہاتھ میں لیے۔ گوشت

کی صفائی کندھے پر ڈالے چیکے چیکے حساب کرتا چلا جاتا تھا۔ دو پیسہ کا دی۔ چار  
پیسہ کا دودھ سیر بھر گوشت۔ ایک آنے کے۔ سیم کے بیچ۔ دو پیسہ کا دھنیا۔ دھنیا

کی پیاز دھیلے کا ہوا دھنیا اور ہری مرچیں۔ سب ملا کے کیا ہوا؟ کیا بھج پور پنج کے کھڑا ہو گیا۔ رومال کو کھونٹ سے پیسے کھول کے گئے۔ اور اپنے ہی دل سے پوچھنے لگا۔  
 ”اور یہ تین پیسے بڑھتے کا ہے کہ ہیں؟“ مدار بخش اسی سوچ میں کھڑا تھا کہ محمود علی نے کہا ”اباہ! میان مدار بخش ہیں؟ کوہا چھے تو ہے؟“

مدار بخش۔ (دھٹ پیسوں کو رومال میں چھپا کے۔ گویا اندیشہ تھا کہ محمود علی اڑا نہ دین) ”جی ہاں میان بندگی۔ آپ کے اقبال سے اچھا ہوں۔“

محمود علی۔ ”تھارے میان گھر ہی میں ہیں؟“  
 مدار بخش۔ ”جی ہاں ابھی تھوڑی ہی دیر تو ہوئی کہ باہر سے آئے ہیں۔ کیا بیٹے کا؟“  
 محمود علی۔ ”نہیں جی اُن سے تو آج ہی دوپہر کہ ملاقات ہو چکی ہے۔“  
 مدار بخش۔ ”تو میان آج کدھر بھول پڑے؟“  
 محمود علی۔ ”بھلی رچ تو ہے کہ اس وقت خاص تم سے ملنے کو آیا تھا۔“  
 مدار بخش۔ ”بھلا میری اسی قسمت کمان؟“

محمود علی۔ ”والہذا تمہارے سر کی قسم تھوٹ نہیں کستا۔ اس گھڑی مجھے تمہاری ہی ضرورت تھی۔“

مدار بخش۔ ”میں جیسا میان کا ذکر ہوں ویسا ہی آپ کا بھی تا بعد از ہوں سہے بھلا میرے لیے آنے کی کون سی ضرورت تھی؟ وہیں بلا بھیجا ہوتا۔“  
 محمود علی۔ ”کیا کون ضرورت ہی ایسی پیش آگئی کہ بے آئے نہ بنتی تھی؟“  
 مدار بخش۔ ”تو جو حکم ہو فرمائیے۔“

محمود علی۔ ”بھئی ہمیں ایک اچھے نوجوان خدمتگار کی ضرورت ہے جو چہرے مہرے سے درست اور ذرا دیدار دہو۔ اُس روز تمہارے بیٹے کو دیکھا تھا۔ ماشاء اللہ بہت اچھا جوان ہے۔ خدا نکر بد سے بچائے۔ مجھے بہت ہی پسند آیا۔ میں نے آکے کھڑا ہو جائے تو جی چاہتا ہے کہ گھر میں اُس کی صورت دیکھنا کرو۔ بھلا سارا ہم ہے۔ اے۔۔۔ مجھے بالکل بھول گیا۔“

مدار بخش۔ (خوش ہو کے) ”مختور بنی بخش۔“

محمود علی۔ ”ہاں ہاں بنی بخش تو میں اُسے ہمارے پاس نوکر رکھوا دو۔“

مدار بخش: ”اور تخواہ کی کیا شرح ہے؟“  
 محمود علی: ”(زور سے ہنس کے) ”تخواہ کا بھلا کیا پوچھنا؟ آدمی پسند ہوا چاہے۔ جو  
 مانگے گا وہ ملے گا۔“

مدار بخش: ”میاں اسے فوج میں نوکری ملتی تھی۔ بعد ارماب آٹھ روپیہ مہینہ  
 دلاتے اور جلد ہی ترقی کا وعدہ کرتے تھے مگر میں نے منظور نہیں کیا۔ فوج کی نوکری  
 جان جو کم کا معاملہ ٹھہرا۔ ایک ذرا سی منٹنا برابر گولی میں آدمی میں سے رہ جاتا  
 ہے۔ میں نے اُس سے کہا بیٹا جان ہے تو جان ہے۔ لڑکا ہے نکیبت اور میرے  
 کہنے میں۔ بس اُس نے انکار کر دیا۔“

محمود علی: ”ان ہاں بھی۔ کیا میں جانتا نہیں ہوں کہ بڑا نیکبت لڑکا ہے؟ اے  
 اسی وجہ سے تو دوڑ آیا کہ ایسا آدمی ذرا دشواری سے ملے گا۔ تو یہی آٹھ روپیہ  
 مہینہ میں بھی دوں گا۔ آٹھ روپیہ مہینہ تو تو ہے وہ جو مانگے گا وہ ملے گا۔“

مدار بخش: ”تو میں اُسے آج ہی بلو بھیجوں گا۔ بس پرسون تک آجائے گا۔“  
 محمود علی: ”تو وہ گیا کمان ہے؟“

مدار بخش: ”حضور اپنے گاؤں گیا ہوا ہے جو میان سے کوئی پانچ چھ کوس ہوگا۔“  
 محمود علی: ”اچھا تو جان تک بنے جلد ہی بلاؤ۔ اور ہاں مجھے تم سے ایک اور کام  
 بھی ہے آج کسی وقت چھٹی ہو تو ذرا میرے گھر تک چلے آنا۔“

مدار بخش: ”حاضر ہوں گا۔ مگر کیا کون ڈیوڑھی کے کاموں سے چھٹی ہی نہیں ملتی۔“  
 محمود علی: ”تو یہ بتا دو کہ کس وقت تک آ جاؤ گے؟ تاکہ میں گھر میں ٹھہر کے  
 تمہارا انتظار کروں۔ دیکھو جہاں تک بنے جلد ہی آنا۔“

مدار بخش: ”میں بس نو بجے بجے پہنچ جاؤں گا۔“  
 محمود علی: ”اچھا۔ اور آج تمہارے میان کین گئے نہیں؟“

مدار بخش: ”گیارہ بجے کے گئے ہوئے تو ابھی ابھی آئے ہیں۔ اب کمان جائیں گے؟“  
 محمود علی: ”میں جانتا ہوں بی بی اجی ملین یا تو وہ زمانہ تھا کہ سوارات کو آکے بڑے  
 رہنے کے گھر میں کبھی صورت نہ دکھائی دیتی تھی یا آج کل کا مانہ ہے کہ گھر سے نکلنے کو  
 جی ہی نہیں چاہتا۔“

مدار بخش : ہاں میان دو لمین بہت اچھی۔ اندر باہر جو ہے اُن کا دم بھر رہا ہے۔  
 ماما صلیبیں نوکر چاکر سب خوش ہیں۔“

محمود علی : کیوں جی۔ تمہارے یہاں سرکار میں اندر باہر سب کتنے آدمی نوکر ہونگے؟  
 مدار بخش : اُوپر بڑی دوز اسعود کے والد کی ڈیوڑھی میں تو نہبت سے آدمی ہیں۔  
 لیکن یہاں ہماری سرکار میں باہر تو ایک میں ہوں۔ اور دوسرا حسین علی ہے۔  
 باقی رہا اندر تو خدا جیتا رکھے ایک محمدی ماما ہے۔ ایک فیض میمن خدمت ہے۔ اور  
 ایک اچھی کماری ہے۔“

محمود علی : اچھی! اچھی! کون؟ اچھی وہ تو نہیں جو نواب باقر علی خان کے وہاں  
 تھا؟ گوری اور ذرا گد بدی سی ہے۔ وہی نا؟“

مدار بخش : ہاں ہاں وہی ہے۔“  
 محمود علی : واللہ خوب پتہ لگا۔ میں تو اُس کی تلاش میں تھا۔ یہاں وہ کب  
 آئی؟ اور کب سے یہاں نوکر ہے؟“

مدار بخش : کوئی سات آٹھ مہینہ سے وہ یہاں نوکر ہے۔ اور بی بی اُس سے  
 بہت خوش ہیں۔“

محمود علی : تو کون؟ تمہارے سرکار کی والدہ؟“  
 مدار بخش : نہیں حضور۔ ہماری دو لمین بیکم اُسے بہت چاہتی ہیں۔ اور اُس کے حال  
 پر بڑی مہربان ہیں۔“

محمود علی : ہے بھی وہ بڑی چلبلی۔ اور باتیں بھی خوب کرتی ہے۔ اس کے علاوہ  
 ابھی جو ان ہے۔ اُس کی صحبت میں لمین بیکم کا دل لگا ہی چاہے۔ تو بس اب میں  
 جاتا ہوں۔ رات کو نو بجے تک تمہارا منتظر رہوں گا۔ دیکھو بھول نہ جانا۔“  
 مدار بخش : حضور میں ضرور حاضر ہوں گا۔“

یہ آوازے کے میان محمود علی نے اپنے گھر کی راہ لی۔ دل میں بہت خوش تھے  
 کہ بڑا مطلب نکل گیا۔ قدم بڑھاتے جاتے تھے اور آپ ہی آپ کہتے جاتے تھے کہ اُس  
 اچھی کماری سے بس خوب کام نکلے گا۔ اسے جیسے بنے پچانسا چاہیے۔ یہ ہمارے  
 قابو میں ہوئی اور سارا کام بن گیا۔“



ادھر ادھر کی سیر کرتے اور پھرتے پھرتے شام کو گھر پہنچے۔ اور مدار بخش کا انتظار  
کرتے گئے۔ آٹھ بج کے چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ مدار بخش نے دروازے پر  
آواز دی۔ اور محمود علی بڑے شوق سے لبک کے باہر آئے۔ اور کٹا بھی خوب آئے۔  
تعارف سے انتظار میں آج کین نہیں گیا۔ پہلے یہ کہو کہ اپنے بیٹے کو بھی بلوایا جائیگا؟  
مدار بخش نے حضور بھی نہیں بلوایا۔ کل کوئی دہات کا جانے والا مل گیا تو بلوا لیا۔  
مجھے جانے کی جی نہیں ہے۔“

محمود علی: تو جی جلدی بلواؤ مجھے بڑی ضرورت ہے۔  
مدار بخش: کل جہان تک بنے گا کسی کو ڈھونڈھ نکالوں گا جو وہاں جا کے اُس کو خبر دے۔  
محمود علی: ہاں ایک بات اور ہے۔ تم اس میں ذرا کوشش کر دیتے تو بڑا حساس ہے۔  
مدار بخش: آپ فرمائیں تو سہی؟

محمود علی: کسی تاہر سے اس اچھی کو مجھ سے ملا دیتے۔ مجھے مدت سے اُس کی  
ملاقات کا شوق ہے۔ کیا کہوں کہ کیسے پاؤں مل چکا ہوں مگر وہ کسی طرح جتنے نہ چڑھی۔  
مدار بخش: (ہنس کے) مگر حضور وہ بڑی سیاتی ہے۔ اُس کا حق ہے پر چڑھنا آسان  
نہیں۔ ظاہر میں تو بڑی چلبلی اور شوخ ہے۔ بوٹی بوٹی پھڑکتی ہے۔ اور معلوم ہوتا  
ہے کہ بڑی آوارہ اور خراب ہوگی۔ مگر اصل میں اتنی آوارہ نہیں جتنی کہ نظر آتی ہے۔  
محمود علی: اچھا تم مجھ سے ملاؤ۔ پھر دیکھنا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ ہری کو شیشے میں  
اتارنا ہمارا کام ہی ہے۔ اچھے اچھون کو تو بچاؤ ہی لیا ہے۔ وہ بیچارہ کیا مال  
ہے۔ اور اُس کی ہستی ہی کیا۔ مگر اُس میں اک ذرا سار سیلا پن ایسا ہے کہ سٹنے  
کو جی جاتا ہے۔ (دور وہ یہ مدار بخش کے ہاتھ میں رکھ کے) اب اس وقت بیان  
تک آئے ہو تو خالی ہاتھ کیا جاؤ گے؟

مدار بخش: (روپیہ ازازہ میں باندھتے ہوئے) ”خدا جتیار رکھے۔ مگر مجھے میان  
ہدین نہیں کر بھی رہا ہوں۔ لیکن خیر ایک تدبیر کر دوں گا۔ مگر اُس میں کوئی پانچ  
روپیہ کے خرچ ہوں گے۔“

محمود علی: منظور ہے۔ (پانچ روپیہ اور دے کے)۔ مگر اتنا بھادو کہ مجھے ایک  
انتظار کرنا پڑے گا؟

مدار بخش: ”آپ پرسون صبح کو مجھ سے ملیں۔ اُس وقت تباؤن گا کہ میں نے کیا کیا ہے؟“  
محمود علی: ”کل نہیں ہو سکتا؟“

مدار بخش: ”حضور اتنی جلدی مشکل ہے۔ تمہیلی پرسون نہیں اگائی جاتی۔“  
محمود علی: ”خیر کوئی مضائقہ نہیں۔ پرسون سہی۔ اُس دن یقین ہے کہ تمہارا بیٹا  
بنی بخش بھی آجائے گا۔“

مدار بخش: ”جہان تک بنے گا اُسے بھی بلاؤں گا۔“  
محمود علی: ”اچھا تو بس ٹھہر گئی۔“

مدار بخش: ”جی ہاں ٹھہر گئی۔ میں اپنی سی کوئی اٹھانا نہ رکھوں گا۔ اچھا تو ادب  
عرض کرتا ہوں۔“

محمود علی: ”خدا حافظ!“ رخصت ہوتے وقت مدار بخش تو اپنی ڈیوڑھی کو واپس روانہ  
ہوا۔ اور میان محمود علی نے بی فیروزہ جان کے کھسکے کی راہ لی۔

## نوان باب

مشورۂ دلربا سے ملنے کی اجازت

مدار بخش جب محمود علی سے مل کے واپس چلا ہے اُس کے ٹھوڑی دیر بعد ادھر دس بجے اُدھر  
مرزا مسعود اور عفت آرا مطالعہ کتب اور تعلیم سے فارغ ہوئے۔ کتابیں بند کیں اور عفت آرا نے پی  
اور میان کی کتابوں کو میز پر بجا کے رکھا اور پوچھا: ”اے اب کھانا کھانے کو جی چاہتا ہو  
تو سترخان کچھ آؤں؟“

مرزا مسعود: ”نہی تو اچھی طرح بھوک نہیں لگی ہے۔ اچھا خیر پٹے عشا کی نماز پڑھ لوں پھر کھاؤں گا۔“  
عفت آرا: ”آج تم کھڑے نکلے نہیں۔ اور نہ کچھ چلے پھرے۔ بھوک لگے تو کسے؟“

مرزا مسعود: ”مان سچ کہتی ہو۔ بے شک یہی وجہ ہوگی۔ تو اچھا میں ذرا کوٹھے پر جا کے ٹھوڑی دیر  
چاندنی میں ٹل لوں۔“ ملنے سے طبیعت کی کلفت بھی دور ہوگی اور بھوک بھی لگ آئے گی۔“

عفت آرا: ”ضرور چلوں آتی ہوں۔ یہ کہہ کے وہ تو بامیان کھول کے بیٹھ گئی اور مرزا مسعود نے  
کوٹھے پر جا کے ٹلنا شروع کیا۔ چاندنی خوب کھلی ہوئی تھی۔ ہاتھاب آسمان کی بالائی توس  
کا ایت ثلث حصہ قطع کر کے سمت الراس کے قریب آگیا تھا۔ اور ناز میان فلک کی بھیر جی

اُس کو بون دڑانے ہوئے گھس آتے اور اُس کی بیباک کرنوں کو ہر طرف دراز بون پر اتار دیا  
جو جاتے دیکھ کے تارون نے شکر گین معشر قاون کی طرح شرمائے ہوئے رُخ زیبا اپنے  
آسمانی ڈور پہ کے آنجلوں میں چھپالیے تھے۔

حیدر روز پہلے ایام طالب علمی میں مرزا مسعود کو علم ہنات اور تارون کے بچانے  
کا بڑا شوق رہا تھا۔ اس وقت جو آسمان کی طرف توجہ کی تو وہ پُرانا شغلہ بھریا یاد آگیا۔  
مگر اس وقت ماہتاب کی روشنی میں اکثر تارے غائب تھے۔ وہ چند ہی تارون کا پتہ  
لگانے پائے تھے کہ عفت آرا آگئی اور بونی اس وقت تو حقیقت میں چاندنی بری  
بہار پر ہے۔

مرزا مسعود یہ بان دُنيا تو بہار پر ہے مگر چاند نے آسمان کا لطف مٹا دیا ہے۔  
عفت آرا یہ کیوں ہے؟

مرزا مسعود دیکھتی نہیں ہو کہ سواد و چار کے سب تارے نظر سے غائب ہیں۔ اندھیری  
راتوں میں جس طرح کھل کے نکلتے اور چمکا کرتے ہیں وہ بات اس چاند میں کمان ہے۔  
عفت آرا یہ ان توجہ ہے۔ مگر ہمیں تو چاندنی میں لطف آتا ہے۔

مسعود یہ تم کیا سبھی لگ چاندنی کو پسند کرتے ہیں۔ مگر جس کسی کو تارون کے بچانے کا شوق  
ہو اُسے چاندنی میں آسمان اُجڑا سا مظلوم ہوتا ہے۔

عفت آرا یہ ہو گا بھی۔ اب میں جانتی ہوں کہ ہم میں نماز پڑھ لینا اور اُس کے  
بعد میں کھانا بھی کھائیں۔

مسعود بہتر ابھی اچھی طرح اشتہا تو نہیں ہے۔ مگر نماز پڑھتے پڑھتے یقین ہے کہ  
بھوک لگ آئے گی۔

میان کایہ جو اب سُن کے عفت آرا نے اچھی کماری کو آواز دی۔ اور جب وہ  
آئی تو حکم دیا کہ ایک درمی اور چاندنی لا کے بچھا دو۔ پھر جا کے دو لوٹون میں پانی  
اور جانارین لے آؤ۔ اور بان محمدی سے کہہ دو کہ خاصہ تیار رہے نازکے بعد ہم  
میں کھائیں گے۔

اچھی تو سب خوب کہہ کے ان حکمون کی بجا آوری کے لیے لگی۔ اور عفت آرا  
نے میان سے کہا ”میں نے اُس روز تم سے کما تھا کہ مجھے غور کے کل جواب دینا۔“

کہ جن لوگوں سے تم ملتے ہو انھوں نے تمھاری طرف کیوں توجہ کی۔ اور مغر زین شہر جن سے بھٹیں اُن میں سے انھوں نے تم سے ملنے کا زیادہ اشتیاق نہیں ظاہر کیا تو کیوں؟ مگر کل کے ہوتے آج پورا ہفتہ گزر گیا اور تم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ مسعودؑ اس کا جواب کیا دے گا؟

عفت آراؑ تو یہی کہہ دو کہ میرے ذہن میں کوئی بات نہیں آتی۔ مسعودؑ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مغر زین و امرا اور نیز اکثر اہل ظلم کبر و نخوت کی وجہ سے اچھی طرح نہیں ملتے۔ اور ان لوگوں میں کسی قسم کا غور نہیں ہے۔ اور مجھے سچ تو یہ ہے کہ غور اور فکر سے بڑی نفرت ہے۔ عفت آراؑ مگر غور کرتے تو کسی غریب یا اپنے سے کم مرتبہ والے سے کرتے۔ تم سے غور کرنے کی وجہ ہے۔

مسعودؑ وجہ ہو یا نہ ہو غور اُن لوگوں کی عادت میں داخل ہو گیا ہے۔ عفت آراؑ اے تو ساری خدائی میں جتنے ہیں سب مغر ہی ہیں۔ میں تو کبھی نہ مانوں گی۔ ایک میں غور ہو گا۔ دو میں ہو گا۔ یہ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ شہر کے سارے اچھے اور لائق لوگ مغر ہیں۔

مسعودؑ اچھا تو پھر تم ہی بتاؤ کہ وہ لوگ کیوں اچھی طرح نہیں ملتے؟ عفت آراؑ پہلے یہ بتاؤ کہ تم کتنی دفعہ اُن سے ملنے کو گئے اور وہ تم سے بدخلقی سے پیش آئے۔

مسعودؑ میں گیا ہی نہیں۔

عفت آراؑ پھر تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ وہ مغر ہیں؟ مسعودؑ شادی کی تقریبوں یا عام قسم کی دینی محفلوں میں ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ لوگ مجھے پوچھتے ہیں۔

عفت آراؑ پوچھنے کی وجہ ہے نہ تم سے ملاقات نہ کسی قسم کا راہ و رسم۔ پھر تمہیں وہ پوچھتے تو کیوں؟ انجان لوگوں سے خواہ مخواہ کو باتیں کرنے لگنا بڑی بدتمیزی ہے۔ اور یہ شریفوں کا طریقہ نہیں۔

اچھا مسعودؑ اور اسی لیے میں ان شریفوں سے بھاگتا ہوں۔ میں تو چاہتا ہوں

کہ انسان صفائی، درصاف دلی سے ملے۔

عفت آرا نہ مگر پہلے یہ تو معلوم ہوئے کہ کون صاف دلی سے ملنے کے قابل ہے اور کون نہیں۔ تم جب اُن سے ملتے دو ایک بار وہاں جاتے ایک آدھ دفعہ انھیں اپنے بیان بُلالتے تو پھر انھیں تمہارا حال معلوم ہوتا اور انھیں اُن کا۔

اب اچھی درمی اور چاندنی کو ذرا بے پروائی سے بچھا کے چلی تو عفت آرا نے بات اتنا مچھوڑ کے اُس سے کہا ”آئین یہ کس بے تمیزی سے درمی بچھا کے چلی ہے؟“ اول تو عطر بھی بچھی ہے۔ اور شکیں بھی نہیں ٹائیں اور اتنی دیر ہو گئی ابھی تک لوٹے بھی نہیں آئے۔ اچھی تجھے یہ ہو کیا گیا ہے؟

اچھی یہ اے حضور میں اکیلی کیا کیا کروں۔ اور تو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں۔ عفت آرا ”اور فیض کیا کر رہی ہے؟“

اچھی ”نیچے لیٹی ہوئی ہیں۔ میں کچھ کون تو خفا ہوتی ہیں۔ حضور ہی حکم دین گی تو آئیں گی۔“ اس پر برہم ہو کر عفت آرا نے فیض کو ڈانٹا تو وہ مُدبّر اتنی ہونٹی تھی۔ اب پھر عفت آرا نے مرزا مسعود کی طرف توجہ کی اور کہا ”اصل یہ ہے کہ کسی کو غور ہے نہ تکبر۔ نہ تم نے کسی شریف نہ اسے اور لائق آدمی سے ملنا چاہا اور نہ وہ تم سے ملا۔ اور ان لوگوں کے اخلاق کی جو تم تعریف کرتے ہو اس کی اصلیت یہ ہے کہ تم کو امیر سمجھ کے انھوں نے خود ام میں چھانسا چاہا۔ خوشامد کی۔ چکنی چٹری باتیں بنائیں اور تم سمجھو کہ یہ بڑے ہی ملنسار اور خلیق ہیں۔ مگر انھیں سچا نہ سمجھو۔ یہ تمھیں تباہ کرین گے۔“

مسعود ”مکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ اب اس کا تذکرہ ہی کیا۔ میں نے تمہارے کہنے سے اُن کا ملنا ہی چھوڑ دیا۔“ یہ کہہ کے مرزا مسعود نے فیض کے ہاتھ سے لٹالیا جو ابھی لے کے اوپر آئی تھی۔ اور ایک طرف دھو کرنے کے لیے بیٹھ گئے۔ مگر عفت آرا نے دیکھ لیا کہ انھوں نے اس طرح سلسا کلام قطع کرتے وقت ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اُس نے اُن کی اس حالت کو غور و حیرت کی نظر سے دیکھا اور دل میں کہا ”اب میں ان پر ظلم کر رہی ہوں کیا کروں کہ ان کے دل سے مُردار فیروزہ کا خیال دور ہو؟ میرے خوف سے مارے بانہ سے گھر میں بیٹھے ہیں۔ گردل دہین ہے۔“

دڑاتا مل کر کے، مگر چاہے کچھ ہو مجھ سے ان کی یہ حالت تو نہ دیکھی جائے گی عجیب کشمکش میں پڑی ہوئی ہوں۔ ان کو وہاں جانے دینا بھی ان پر ظلم ہے۔ اور وہاں جانے سے روکنا بھی ظلم ہے۔ وہاں جانے میں آپ تباہ ہون گئے اور اپنے ساتھ سارے گھر بار کو تباہ کر لیں گے۔ نہ جانے دونوں تو دل ہی دل میں گرٹھتے ہیں۔ اور ان کی یہ تکلیف مجھ سے نہیں دیکھی جاسکتی۔“

اب مرزا مسعود و فوسے فارغ ہو کے نماز میں مشغول ہو گئے اور عفت آرا نے بھی بغیر اس کے کہ اپنے دل میں کوئی تعفیہ کر سکے وضو کیا۔ اور میان کے قریب ہی دوسری جگہ نماز بچھا کے نماز پڑھنے لگی۔ نماز کے بعد محمدی نے لاکے دسترخوان بچھایا۔ اور دونوں کھانے میں مشغول ہوئے۔ چند نقبون کے بعد عفت آرا نے کہا: تم نے گھر سے نکلنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ یہ اچھا نہیں ہے۔ دو گھڑی کو جا کے مزدور ٹہل آیا کرو۔“

مرزا مسعود نے من جانے کیا کر دیا گا؟ ارادہ ہے کہ چند روز خانہ نشین رہ کے پتھارا دم عمل سیکھنے کے قابل ہو جاؤں جس کے بتانے کا تم نے وعدہ کیا ہے۔“

عفت آرا: ”ابھی نہیں۔ پہلے تم دکان کا امتحان پاس کر لو۔ اور اتنی دولت گھر میں جمع کر کے رکھ لو کہ باؤں توڑ کے بیٹھ سکو۔“

مسعود: ”مگر اب تو مجھے گھر سے باہر قدم نکالتے ہی وحشت ہونے لگتی ہے۔“

عفت آرا: ”وحشت کا سبب بھی ظاہر ہے۔ پُرانے دوستوں سے ملنا نہیں چاہتے اور نئے کوئی دوست ہیں نہیں۔ پھر خدا ہی نے کہا ہے کہ وحشت ہوگی۔“

مسعود: ”بے شک یہی سبب ہے۔ مگر اس کا علاج ہی کیا ہے؟“

عفت آرا: ”میں تو کوئی نہ کوئی علاج ڈھونڈ کر کالوں گی۔“

انھیں باتوں میں کھانے سے فارغ ہو کے دونوں جا کے اپنے کمرہ میں لیٹے۔ اور ماما میں اور پرکاش سامان اٹھا کے نیچے لائیں۔

صبح کو نماز سے فارغ ہو کے بیٹھے ہی تھے کہ عفت آرا نے کہا: ”آج پڑھنے سے فراغت کرتے ہی تم باہر کی ہوا کھاؤ۔ کئی دن سے کہیں نہیں گئے ہو۔ بیٹھے بیٹھے ذہن کند ہو جائے گا۔ اور اس کا اثر تعلیم پر پڑے گا۔“

مرزا مسعودؒ "تھارے کہنے سے میں جانے کو موجود ہوں۔ مگر اتنا سمجھ لو کہ گھر سے قدم باہر نکلنے کے بعد یہ غیر ممکن ہے کہ فیروزہ کے دہان نہ جاؤں۔ اول تو خود میرا دل بے گئے نہیں مانتا۔ علاوہ برین کچھ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ گھر سے دو ہی چار قدم جانے پاتا ہوں کہ حامد حسین اور محمود علیٰ میں سے کوئی نہ کوئی مل جاتا ہے۔ اور مجھے زبردستی فیروزہ کے گھر کھینچ لے جاتا ہے۔ اور وہاں خواہ مخواہ ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کو نہ کم سے کہتے جیتی ہے۔ اور نہ چھپاتے۔ کون تو کس منہ سے کون ہا اور نہ کون تو تم کو خود ہی معلوم ہو جاتے ہیں۔"

عفت آراؒ "میں یقین دہان جانے سے منع نہیں کرتی۔ لیکن ہاں اتنا چاہتی ہوں کہ ایسی باتیں نہ کرو کہ اسہام میں یقین نقصان پہنچے۔ یہ نامی دہوائی ہو۔ اور پھر اُسی کے سبب سے گھرتا ہوا جائے۔"

مرزا مسعودؒ "وہاں مجھے اس بات کی تمیز نہیں ہوتی کہ کن باتوں کو کروں اور کن کو نہ کروں۔ تم جانتی ہو کہ مجھے خدا خواستہ اُس سے کوئی ناجائز تعلق نہیں ہے۔ وہ گیا صرت دو گھڑی بیٹھ کے چلا آنا۔ اس میں کوئی اندیشہ نہیں نظر آتا۔"

عفت آراؒ "ہاں اس میں کوئی خوف کی بات نہیں۔ مگر مجھے تمہارے اُن موئے دو دوستوں حامد حسین اور محمود علیٰ سے بڑا اندیشہ ہے۔ وہ اس کوشش میں لگے ہیں کہ یقین فیروزہ کے دام میں پھنساؤں اور یقین تباہ کریں۔"

مرزا مسعودؒ "اور یہ ممکن نہیں کہ میں فیروزہ کے دہان جاؤں اور اُن سے ملاقات نہ ہو۔ اس لیے یہی بہتر ہے کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا رہوں اور باہر نکلنے کا نام ہی نہ لوں۔"

عفت آراؒ "اس میں تندرستی میں فرق آجانے کا خوف ہے۔ اس لیے تم دہان جاؤ۔ اور اُن سے بھی ملو۔ مگر اس کا خیال رہے کہ اُن کے نعروں میں نہ آؤ۔ اور اگر وہ کسی بات کی اصلاح دین تو اُس پر مجھ سے پوچھے بغیر عمل نہ کرو۔"

مرزا مسعودؒ "خیر کتنی ہو تو جاؤں گا۔ مگر آج تو جانے کو جی نہیں چاہتا۔ طبیعت کچھ سست سی ہو گئی ہے۔ کل جاؤں گا۔"

عفت آراؒ "وہاں نہیں تو نہ سی۔ تھوڑی سی دور ٹہل کے چلے آؤ۔ مگر جاؤ ضرور۔"

تھاری طبیعت کی اس سُستی سے مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ مرد سے بغیر چلے پھرے  
تذرت نہیں رہ سکتے۔“

مرزا مسعود: ”میں گھر سے نکلون گا تو ان میں سے کوئی کہیں راستہ میں مل جائے گا  
اور مجھے فیروزہ کے وہاں پکڑے جائے گا۔“

عفت آراء: ”اچھا تو ایک کام کرو۔ آج تم آبا جان کے ساتھ چلے جانا۔ وہ روز شام  
کو گاڑی پر بٹھ کے جاتے اپنے دو ایک دوستوں سے ملتے۔ اور باغون کی ہوا  
کھا کے چلے آتے ہیں۔ تم بھی انہیں کے ساتھ چلے جانا۔ اور ان کے دوستوں سے  
مل لینا۔“

مرزا مسعود: ”مجھے ان کے ساتھ جانے میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن اگر وہ خود بلاؤں گے  
تو جاؤں گا۔“

عفت آراء: ”اچھا اس کا انتظام میں کر دوں گی۔ اور وعدہ کرتی ہوں کہ وہ  
سوار ہوتے وقت تمہیں بلا لیں گے۔“

مرزا مسعود: ”دجائی نے کہا، ”اے تو اب ان باتوں میں کیا آج جا بھی نہ دیتی ہے؟“  
عفت آراء: ”ان باتوں میں مجھے بالکل یاد نہیں رہا۔ مگر جا تیار ہی ہو گئی۔ یہ کہہ کے  
اچھی کماری کو بلا کے پوچھا ”جا تیار ہے؟“

اچھی: ”حضور تیار ہے۔ حکم ہی کا انتظار تھا۔“

عفت آراء: ”ایسے کاموں کے لیے حکم کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب  
وقت آجائے خود آ کے پوچھ لیا کرو۔“

مرزا مسعود: ”اجی پوچھنے سے تو یہ اچھا ہے کہ کھانے کے لیے ایک کمرہ مقرر کرو۔  
اُس میں یہ لوگ ناشتہ چاہا یا کھانا جو کچھ ہوا اپنے وقت پر لا کے قرینہ سے کھا کے  
گھٹی بجا دیا کریں۔“

عفت آراء: ”ابھی مجھ میں اتنا انگریزی پن نہیں آیا ہے۔ اگرچہ یہ میں مانتی ہوں کہ  
بات اچھی ہے۔ بُری نہیں۔“

مرزا مسعود: ”جب بُری بات نہیں تو پھر اُسے اختیار کرنے میں کیا مضائقہ ہے؟“  
عفت آراء: ”اب میں تم سے زیادہ پڑھی نہیں ہوں کہ ہر بات میں تمہیں مانع موقوف



کیا کروں۔ لیکن اتنا جانتی ہوں کہ دوسری قوموں کی اچھی باتوں کے اختیار کرنے کے لیے بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔“

مرزا مسعود (دہش کے) ”جو چیز اچھی ہے اُس کے لیے حد کیسی۔ اچھی باتیں جہاں تک اختیار کی جائیں اچھا ہے۔“

عفت آرا نے ان اچھا تو ہے مگر جب کسی ایک ہی کی قوم کی تمام عادتیں گودہ اچھی ہی ہوں اختیار کر لی جائیں تو اصلیت نہیں باقی رہتی بلکہ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے اُن لوگوں کی نقل کر رہے ہیں۔ اور یہی میرے نزدیک اعتدال کی حد ہے۔ دوسروں کی عادتیں اُسی حد تک لی جائیں جہاں تک یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ ہم بھانڈوں اور بہرو پون کی طرح نقالی۔“

اتنے میں اچھی اور محمدی نے چاء کی کشتی لاس کے سامنے رکھی۔ اور مرزا مسعود نے کہا ”لے اب چاء بنا کے دو عفت آرا نے چاء بنائی۔ اور دونوں میان بی بیوں نے چاء اور ناشتہ سے فراغت کر کے روزانہ تعلیم کی طرف توجہ کی۔“

## دسواں باب

محمود علی کی غیب دانی

بی بی فرزہ جان رات بھر ایک حجر سے مین۔ مین۔ دو پہر کے قریب گھر آئیں۔ جو پہلے سے اتر کے اٹھ منہ دھوئے اور اپنے کمرے میں آ کے نوال سے منہ پونچھ رہی تھیں کہ میان حامد حسین آ پہنچے۔ جن کے ساتھ ایک سبزہ آغا خوش رو شخص بھی تھا جو صورت سے شریف زادہ اور وضع قطع سے امیر زادہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر یہ ظاہر اس بازاری کوچہ سے ہونے لگا تھا۔ اس لیے کہ میان آتے ہی وہ الگ ایک کونے میں دھب کے بیٹھنے لگا۔ مگر حامد حسین نے زبردستی دھکیل کے صدر مقام پر بٹھا دیا۔ بیٹھتے ہی اُس کے چہرے پر پسینہ آ گیا۔ اپنی جگہ پر جھپٹا جاتا تھا اور لب ہلانے کی جرات نہ ہوتی۔ کوئی بات دل میں آتی تھی تو حامد حسین کی طرف منہ بڑھا کے کان میں کہتا۔ اور بجائے اس کے کہ منہ میں بولیں حامد حسین میں

اور اُس میں چُپکے چُپکے سرگوشیاں ہو رہی تھیں۔

آخر بی فیروزہ بولیں، ”اُسے تو گلوڑی ساری راز کی باتیں مہین کے بے اٹھا رکھی تھیں؟“ یہ فقرہ اُن کے حامد حسین کا وہ نمونہ رفیقِ توجہ کے اور زیادہ سننے لگا مگر حامد حسین نے طعن کے بجائے جواب دیا، ”جب لوگوں کے مزاج بھی ملین۔ تمہارے بیان آئے ہیں۔ مگر جیسے تم سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ اتنا بھی تو منہ سے نہ نکلا کہ کون ہو؟ اور کمان سے آئے ہو۔ تمہارے اخلاق کی یہ حالت ہو تو کوئی تم سے کیا خاک باتیں کرے؟“

فیروزہ، ”اچھا میرا ہی تصور سہی۔ (نوجوان سے) اسے تو اچھی طرح کھل کے فروغ سے بیٹھو۔“ اس پر نوجوان ذرا مسکرایا۔ اور بغیر اس کے کہ کچھ جواب دے نہا کے آنکھیں نیچی کر لیں۔ اب بی فیروزہ حامد حسین کا اشارہ پاتے ہی اُس کے پاس آ کے بیٹھ گئیں۔ پانچاں کھول کے آدرو کی نزاکت سے گلوڑی بنائی اور اُن کی طرف بڑھا کے کہا، ”لیجئے“ نوجوان مارے شرم کے پسینہ پسینہ ہو گیا۔ مگر انکار کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ نہایت کے ساتھ گلوڑی لے کے منہ میں رکھی۔ اور پھر آنکھیں نیچی کر لیں۔

فیروزہ، ”اُسے تو گلوڑی شرم کا ہے کی ہے؟ چار آنکھیں کر کے باتیں کر رہا ہو۔“  
 بولو۔ (حامد حسین سے) اُسے یہ کیا تمہارے ساتھ بھی یونین نہایا کرتے ہیں؟“  
 حامد حسین، ”اصل یہ ہے کہ مولویوں کے گھرانے کے ہیں۔ اور تو بہ شکلی کی یہ نئی افادہ سربراہ آپڑی ہے۔ بھئی واسٹر تم تو کرکری کیے دیتے ہو۔ بہت بڑو بڑو کے باتیں بناتے تھے اور یہاں یہ حال ہے کہ منہ سے بات نہیں نکلتی!“

فیروزہ، ”اُسے تو آپ کا نام کیا ہے؟“  
 حامد حسین، ”بتاؤ بتاؤ۔ (فیروزہ سے) جب تک ان کی زبان نہیں نکلتی اُسی وقت تک شینت ہے۔ ذرا تم سے بے تکلف ہو جائیں مہرہ دیکھنا کہ کیسے چلتے ہیں۔“

فیروزہ، ”پھر تمہیں ان کے بے تکلف ہونے کی کوئی تدبیر بتاؤ۔“  
 حامد حسین، ”اس کی تدبیر مجھ سے پوچھتی ہو؟ تمہیں نہیں معلوم؟“  
 فیروزہ، ”تو پھر میں اپنی تدبیر کروں؟“

نوجوان۔ (گہرا کہے) "میرا نام محمد زکی ہے۔"  
فیروزہ۔ "تو مین پوچھتی ہوں آپ کو اس کے بتانے میں تامل کیا تھا؟"  
اس کے جواب میں محمد زکی نے پھر خاموشی اختیار کی اور شرم سے سمٹنے لگے تو مینی  
فیروزہ نے گدگدانا شروع کر دیا۔

حامد حسین۔ "ہاں اب تم راہ پر لگا لو گی۔"  
محمد زکی۔ "اب میں جاتا ہوں۔ یہاں بیٹھوں گا تو تم سناؤ گی اور ایک کام بھی ہے۔"  
فیروزہ۔ "دھال پر ایک ہلکا سا پتھر مار کے (میان جو کوئی آئے اسے اپنے سب کام  
بھول جایا کرتے ہیں۔"

محمد زکی۔ (بڑی جرأت سے کام لے کے) "مگر مجھے تو یاد ہیں۔"  
فیروزہ۔ "تو مین اُنھیں بھلا دوں گی۔" اور محمد زکی نے اُنھنے کا قصد کیا تو لمبے پتھر کے  
زبردستی بٹھالیا۔ اور بولی "چلے کہاں؟ بیٹھو۔"

حامد حسین۔ "واللہ لگایا قرینہ پیرانا ہوں۔"  
فیروزہ۔ "اے تو ان ہوش کو تم پکڑ کہاں سے لائے؟"  
حامد حسین۔ "میرے بڑے پرانے دوست ہیں۔ تمہاری تعریف سن پائی تھی۔ روز کہا  
کرتے تھے ذرا چل کے ملا دو۔ کہ دو گھڑی بیٹھ کے دل ہلا آیا کریں۔"

فیروزہ۔ "تو اب آئے ہیں تو بیٹھے مین بھی تو دیکھوں کہ آپ کو مجھ سے ملنے کا کیسا  
شوق تھا۔"

محمد زکی۔ "اب تو اکثر آیا کیا کروں گا۔ اور آپ کی اس عنایت کا بہت  
شکر گزار ہوں؟"

فیروزہ۔ "یہی عنایت جو مین نے ایک تھپڑ رسید کیا؟ اچھا تو اور بھیجیے۔ یہ کہہ کے او  
دو ایک تھپڑ رسید کیے اور اس قدر گدگدایا کہ محمد زکی کے پیٹ مین بل پڑ پڑ گئے۔  
گدگداتی جاتی تھی اور کہتی جاتی تھی "اب تو جانے کا نام نہ لو گے؟"

محمد زکی۔ (بہسی کو مشکلون سے ضبط کر کے) "اچھا تو بہ ہوئی۔ نہ جاؤں گا۔ لے اب  
خدا کی قسم نکل بیٹھو۔"

اب حامد حسین کو مناسب معلوم ہوا کہ محمد زکی کو ایک دم بھر کے لیے خدام لینے کا

موقع دین ہوئے۔ میں گھر گدا چکین۔ یہ تو بتاؤ کرات کی محفل کیسی تھی؟  
فیروزہؒ نے کسی محفل کمون ہی پر تو یہ ہے کہ اب صحبتوں کا رنگ بالکل بگڑ گیا ہے۔  
پستلہ امیروں۔ بعلے ماشون کی مٹھلین ہوتی تھیں۔ جن میں ہر چیز قرینہ کی اور ہر ایک بات  
تندیس اور صفت کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور اب تو ہندو سماجنوں اور جوہریوں کے پران کی  
مٹھلین رہ گئی ہیں جن میں سوا تو تیکار۔ دھول و چھپے اور بد تمیز یوں کے کچھ  
بھی نہیں ہوتا۔

محمد زکیؒ یہ باتیں رات کو اسی صحبت میں آپ نے سکھی ہیں؟  
فیروزہؒ: ”اے بوینڈ کی کو بھی زکام ۱۷۷۔ اب تو ماشاۃ اللہ سے چرخے لگے؟“  
محمد زکیؒ: ”آپ کی تعلیم میں کہ باتیں؟“  
فیروزہؒ: ”اے تو یہ سبق بھول نہ جانا۔ نہیں تو پٹن پڑے گی۔“  
محمد زکیؒ: ”خوب ٹھیک کر لیا۔ (محمد زکی سے) جی ہاں اس اسکول کی تعلیم اس اسکول  
سے زیادہ سخت ہے جس میں آپ روز جاکر تے ہیں۔“  
محمد زکیؒ: ”مگر آدمی بہت جلد بیان استاد بن جایا کرتا ہے۔ دیکھیے گا کہ دہی ایک  
دن میں میں نے سبق دینے لگوں گا۔“

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی کے آنے کی آمہٹ معلوم ہوئی۔ اور محمد زکی گھر آئے  
کہ کوئی میرا شناسا نہ ہو۔ اُٹھ کے بھاگنے کا ارادہ کیا تو فیروزہؒ نے دامن پکڑ لیا۔  
اور وہ چوہیا کا بل ڈھونڈ رہے تھے کہ میان محمود علی برآمد ہوئے۔ اور محمد زکی کی  
جان میں جان آئی۔ کیونکہ اُن سے بالکل شناسائی تھی۔

فیروزہؒ: ”اے ہے یہ تم کہاں رہا کرتے ہو؟ دور دراز سے پہنچیں۔“  
محمود علیؒ نے رات کو آیا تھا مگر تم مجھ سے میں لگتی ہوئی تھیں۔ ابھی راستہ میں مہنت  
ملا اور اُس سے سنا کہ تم ابھی ابھی آئی ہو۔ مرزا مسعود کی طرف جا رہا تھا دل میں آئی  
کہ تم سے ملتا چلوں۔“

فیروزہؒ: ”اب مرزا مسعود سے ہاتھ دھو اُس دن جو گئے تو آج تک  
آئے ہیں۔ میں سمجھتی تھی کہ تم سے پچاس روپیہ وصول کرنے کے لیے مرزا آئیں گے۔“  
محمود علیؒ: ”ابھی وہ تو سر آنکھوں کے بھل آئے مگر جب آنے بھی پائیں؟“

حامد حسن: ”کیونکہ کیا بیان آنے کی مناسبت ہو گئی ہے۔“  
 محمود علی: ”بالکل گھر سے نکلنے تک کی مناسبت ہے۔ مجال کیا کر ڈیوڑھی کے باہر  
 قدم نکالیں۔“

محمد زکی: ”(چونک کے) ”مرزا مسعود کون؟ وہی جنھون نے اس سال بی۔ اے کا  
 امتحان پاس کیا ہے؟ اور گورے چٹے خوبصورت سے ہیں؟“

حامد حسن: ”ہاں ہاں وہی۔“

محمد زکی: ”وہ تو ابھی ابھی اپنے والد کے ساتھ گاڑی پر بیٹھے ہوئے جا رہے تھے۔“  
 محمود علی: ”اُن کے ساتھ گئے ہوں۔ مگر اکیلے گھر سے نہیں نکلنے پاتے۔“

فیروزہ: ”یقین کیونکہ معلوم ہوا ہے۔“

محمود علی: ”اب اُن کی بی بی کی طرح میں نے بھی غیب دانی کا عمل سیکھ لیا۔ اُن کو مرزا  
 کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور مجھے اُن کی اور اُن کے میان کی۔“

فیروزہ: ”اچھا تاؤ کرج سے میان سے گئے ہیں اُن پر کیا گزری ہے؟ اور میان  
 بی بی ان میں کیا باتیں ہوتی رہیں؟“

محمود علی: ”اُس روز جو میان سے گئے تو بی بی کو میان کی ساری باتیں معلوم تھیں انھوں  
 نے آڑے ہاتھوں لیا۔ اور ایسا ڈانٹا کہ ہمارے گے خواص جانے رہے۔ مجھ سے بچاں بچاں

روپیہ نہ دنا۔ یہاں کھانے میں دو چار روپیہ خرچ کرنا۔ اور کھارے حسن کی تعریفیں کرنا۔ غرض کوئی  
 بات نہ تھی جس کی بی بی کی خبر نہ ہو۔ اس نے کہا کہ تمہارے دوست صرف دو پچے شدہ سے

اور ایک بازار کی بیٹھنے والی فاحشہ عورت ہے۔ اور اُن کی صحبت میں تم گھومنا رہا کرو گے۔  
 بی بی کی یہ باتیں سُن کے اُنھوں نے شاید دل میں ارادہ کر لیا تھا کہ گھر ہی سے نہ نکلیں گے۔

لیکن آج صبح کو تم سے ملنے کی اجازت مل گئی ہے۔ اور آج ہی کل میں آتے ہوں گے۔  
 اور ہاں بی بی کا حکم ہوا ہے کہ شہر کے رئیس زادوں امیروں اور لائق لوگوں اور خاص کر

وکیلوں سے ملنا کر۔ گھر میں معمول ہے کہ صبح کو سات بجے سے ۱۰ بجے تک اور رات کو  
 سات بجے سے نو بجے تک دونوں میان بی بی کی کمرے میں بند ہو جائے ہیں اور کوئی باہر

نہیں پھٹکے پاتا۔ اور سنتا ہوں کہ اُس وقت خلعت بن بی بی میان سے انگریزی پڑھتی  
 ہیں۔ اور میان اپنی کتابیں پڑھتے ہیں۔“

فیروزہ یہ سارا حال ٹھہرنے کیسے معلوم ہوا؟  
**محمود علی** : ”واہ! یہ نسخہ یون آسانی سے بتا دوں گا بہت کچھ خرچ کر کے یہ کمال پیدا کیا ہے اور ٹھہرنے باتوں باتوں میں بتا دوں گا قیامت تک تو بتاؤں گا نہیں؟“

فیروزہ : ”ٹھہرنے میرے سر کی قسم بتا دو“

**محمود علی** : ”تو جلد ہی کس بات کی ہے؟“

فیروزہ : ”نہیں مجھے جلدی ہے“

**محمود علی** : ”میں نے اپنے دو موکل وہاں مقرر کر دیے ہیں۔ وہ گھڑی گزری کی خبر پہنچایا کرتے ہیں۔“ حاجہ حسین سے محمد زکی کی طرف اشارہ کر کے، ”بھئی آپ کی کچھ تعریف کرو۔“

**حاجہ حسین** : ”یہ ہمارے شہر کے خاندانی شریف زادے ہیں۔ تم ان سے مل کے بہت خوش ہو گے۔ مجھ سے پرانی دوستی ہے۔“

**محمود علی** : ”مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔“

**حاجہ حسین** : ”انھیں ابھی لکھنے پڑھنے سے فرصت نہیں۔ میں تو انھیں زبردستی پکڑا لیا ہوں۔“  
**محمود علی** : ”آپ سے مل کے بڑی خوشی ہوئی۔ دو گھڑی کے لیے کبھی کبھی بیان چلے آیا کیجئے۔“

**محمد زکی** : ”اور آپ کا اسم شریف؟“

**حاجہ حسین** : ”یہ ہمارے دوست محمود علی ہیں۔ اور سچ یہ ہے کہ دوستی کے بڑے سچے ہیں۔ بس میں تو ان کی اس بات کا قائل ہوں۔“

**محمد زکی** : ”تو میری خوش نصیبی ہے کہ آپ سے ملاقات ہو گئی۔“

**محمود علی** : ”میں کس قابل ہوں؟“

**فیروزہ** : ”اے تو بس ہو چکا اس لیے۔ اب اپنے موکلوں کا حال بیان کرو۔“

**محمود علی** : ”یہ تو نہ بتاؤں گا۔“

**فیروزہ** : ”اچھا یاد رکھنا۔“

**محمود علی** : ”جی سب یاد ہے۔ جو کچھ کیفیت پر چھو ابھی بتا دوں گا۔ مگر اپنے موکلوں“  
 تہ برون کا حال برگزنتاؤں کا۔“

**حاجہ حسین** : ”مگر میں تو کموں گا کہ مرزا سعود کی جو رو ہے ہلاکی۔ میان کو ایسے کچھ

یہ کہہ کے مرزا مسعود نے کپڑے پہنے۔ نگلی کی۔ اور گھر سے نکل کے اُس کھلی دنیا میں پہنچے جس سے کئی دن تک جدار پہنے کے باعث غیر مانوس سے ہو گئے تھے۔

## بارصوان باب

پھر وہی کوئے جاناں

کوئی پہرہ نہ چڑھا ہوا کہ بی فیروزہ کو گانے بجانے کی تعلیم سے فراغت ہوئی۔ استاد تو چلے گئے۔ مگر دیس کی ایک چیز جو آج ہی سیکھی تھی اُسے چلکے چلکے غنغا یا تولے سے باہر ہو گئیں۔ دل میں یہ اندیشہ ہوا کہ یہ چیز ذہن سے نہ اتر جائے۔ حامد حسین کی طرف نظر اٹھا کے دیکھا تو وہ ادھر نشست کیے آئینے کے سامنے بیٹھے جرح طرح کے ٹنر بنا کے اپنی مختلف وصحیں دیکھ رہے تھے۔ آئینہ میں اُن کی وہ عجیب و غریب شکلیں دیکھ کے زور سے تھمتھ گیا۔ پھر بولی "اونی باماشا راشد! کیا کیا کھیلے ہیں اے بس اپنی چھپ دیکھ چکے۔ اب ذرا ادھر متوجہ ہو؟"

حامد حسین "کیوں؟"

فیروزہ "میں گاتی ہوں تم با بیان لے کے ذرا ٹھیکا تو دیتے جاؤ۔"

حامد حسین "جی اس کام کے لیے اپنے چیلے کو بلائے۔"

فیروزہ "تھیں میرے سر کی قسم نوا با بیان لے لو۔"

حامد حسین "زبردستی کی اور بات ہے۔" یہ کہہ کے اُنھوں نے با بیان لیا۔ ادبی فیروزہ

گانے لگیں اور حبیب اطمینان ہو گیا کہ اب لے سے باہر نہیں ہوں تو کہا "بس اب رہنے دو۔"

حامد حسین "ذرا بن سنور کے بیٹھ۔ محذری آتے ہوں گے اور تمہیں اُن کو پھانسا ہے۔"

فیروزہ "اُنھیں آنے دو دو ابھی بالکل سیدھا سادہ لڑکا ہے۔"

حامد حسین "صبح کو اُنھیں ہی میرے پاس دوڑے آئے۔ اور کہنے لگے آج میں سکول

نہ جاؤں گا۔ دہان کے عوض سیدھا فیروزہ جان کے گھر جاؤں گا۔"

فیروزہ " (ہنس کے) "تو تم نے اُنھیں اچھے اسکول میں داخل کر دیا۔"

حامد حسین "لڑکا گھر سے خوش ہے۔ اور ماں باپ کو ہلا ڈالا۔ جو مانگتا ہے مل جاتا ہے۔"

اور آج کل بے مدینہ نظر رہا ہے۔ بگڑتا ہر طرح۔ میں نے کہا کہ اور کہیں کیوں جائے

محبت و دوستی کی ادنیٰ بے قدری کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔“

محمد زکیؒ نے مگر اُن کی وطن کی غیب دانی کا کیا مضمون ہے ؟ یہ سید ہی سمجھ میں نہیں آیا۔“

حامد حسینؒ نے خدا جانے کیا کرتی ہے کہ میان کی ہر بات کی خبر ہو جاتی ہے۔ کوئی بات چاہے کیسی ہی چھپا کے اور کتنی ہی احتیاط سے کی جائے اُس ظالم سے نہیں چھپتی۔“

محمود علیؒ اور اب مین نے یہ کمال حاصل کر لیا ہے کہ اُس کا روز روز کا کچا چھامیر پاس ہو سچ جایا کرتا ہے۔“

حامد حسینؒ نے تم سے تو اُن سے ملاقات ہو گی ؟“

محمد زکیؒ نے کس سے ؟“

حامد حسینؒ نے مرزا مسعود سے اور کس سے ؟“

محمد زکیؒ نے ملاقات تو نہیں ہاں دور کی قرابت البتہ ہے۔ مجھے یہ سُن کے تعجب ہوتا ہے کہ آپ لوگوں سے اُن سے ملاقات ہے۔ اجمی دو تو سارے عزیزوں میں نہایت ہی متبرک اور مغرور مشہور ہیں۔ نہ کسی غریب سے وہ ملتے ہیں اور نہ کوئی اُن کے پاس جاتا ہے۔“

محمود علیؒ نے تو آپ سے اُن سے عزیز دار ہی ہے ؟“

محمد زکیؒ نے ہاں ہے تو سہی۔ مگر میں انھیں اچھا نہیں سمجھتا۔“

محمود علیؒ نے تو آپ کی اُن کے گھر تک رسائی بھی ہو گی ؟“

محمد زکیؒ نے نہیں میں کبھی اُن کے وہاں نہیں جاتا۔ اور اُن کے گھر میں سوا خاصا شادی بیاہ کے ہمارے بیان کی عورتوں کی آمد و رفت بھی نہیں۔“

محمد زکیؒ نے خیر یہ تو ہو سکتا ہے کہ آپ تعلقات پیدا کر کے راہ در ہم بڑھالیں ؟“

محمد زکیؒ نے بخوبی ممکن ہے۔ مگر میں اُن سے ملنا پسند ہی نہیں کرتا۔“

محمود علیؒ نے آپ سے ملاقات تو ہوئے ہی گی۔“

محمد زکیؒ نے مطلقاً نہیں۔ میں تو انھیں پہچانتا ہوں۔ مگر وہ شاید مجھے پہچانتے بھی نہ ہوں گے۔“

فیروزہؒ نے تو اب ان جھگڑوں سے مطلب ؟ اُن سے ملاقات ہے یا نہیں پتہ نہیں کیا ؟“



محمود علیؒ: اب میں جاتا ہوں رات کو آؤں گا۔

فیروزہؒ: اسے کمان جاؤ گے؟ بیٹھو بھی۔

محمود علیؒ: تمہارے ہی کام کو جاتا ہوں۔

محمد زکیؒ: میں بھی اب رخصت ہوتا ہوں۔

فیروزہؒ: واہ! تم کو تو قیامت تک نہ جانے دوں گی۔

محمد زکیؒ: اس وقت مجھے جانے دیجیے۔ پھر آؤں گا۔ واسطہ بڑی شدید ضرورت ہے شام

ہو گئی اور اب گھر جانا ضروری ہے۔

فیروزہؒ: یہ نہیں ہو سکتا۔

حامد حسینؒ: انہیں اس وقت جانے ہی دو۔ ایسا نہ کرو کہ پھر آنے کے قابل نہ رہیں۔

کیونکہ ان کے گھر میں ابھی ان کی بڑی نگرانی ہوتی ہے۔

فیروزہؒ: خیر تمہاری خاطر ہے۔ ورنہ تمہاری جان کی قسم میں نہ جانے دیتی۔ اچھا تو وعدہ

کر دو کہ کب آؤ گے؟

محمد زکیؒ: بن پڑا تو کل ہی آؤں گا۔

اس جواب سے بنی فیروزہ مطمئن ہو گئیں اور اب محمد زکیؒ جانے کے لیے اٹھے تو ان کے

ساتھ ہی محمود علیؒ اور حامد حسینؒ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر بنی فیروزہؒ جان نے حامد حسینؒ کو بڑبستی

روک لیا۔ اور خانی محمد زکیؒ اور محمود علیؒ رخصت ہو کے باہر نکلے۔ دروازے پر پہنچ کے

محمود علیؒ نے پوچھا: کل آپ کس وقت تشریف لائیں گے؟ مجھے بتا دیجیے تاکہ میں بھی موجود

رہوں۔ آپ سے مل کے اس وقت بہت جی خوش ہوا۔

محمد زکیؒ: جی جانتا ہے کہ کل تیسرے پہر کو آؤں اور رات تک ٹھہروں۔ لیکن ڈرتا

ہوں کہ ایسا نہ ہو میں بیان بیٹھا ہوں اور مرزا مسعود آجائیں۔ اگرچہ شناسائی نہیں۔ مگر

میں ان کے سامنے بیان نہیں بٹھ سکتا۔

محمود علیؒ: اس کا خیال نہ کیجیے۔ اگر وہ آئے تو آپ ایسی جگہ بٹھا دیے جائیں گے

جہاں سے آپ سب کچھ دیکھیں اور آپ کو کوئی نہ دیکھے۔ آئیے گا ضرور دیکھیے جہول

نہ جاسے گا۔

محمد زکیؒ: فقط اسی بات کا خیال ہے۔

محمد علیؑ ایسی باتیں تو بیان روز ہی پیش آیا کرتی ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں کہ کسی کو کانون  
کان تو جہز ہو گی نہیں۔ اور مرزا مسعود کو آپ کا وہم و گمان بھی نہ گذرنے پائے گا میں کسی  
وقت فیروزہ جان کو سمجھا دوں گا وہ پہلے سے بند و بست کر رہیں گی۔  
محمد زکیؑ تو میں ضرور آؤں گا۔  
اس قول و قرار کے بعد دونوں نے اپنا راستہ لیا۔

## گیا رھوان باب

شریف بی بی کا اثیر نفس

صبح ہوئی ہے مرغ سحر نے آذان دی۔ اور طائران خوش الحان نے اپنے آشیانوں  
ہی میں بیٹھے بیٹھے و طیفہ مباحی پڑھنا شروع کر دیا۔ یہاں دل پر آئندہ بین فراق کی آگ  
لگنے اور شب عیش کی پری طعنت محبت کو برہم کرنے والی مہ جبینان زمین آغوش شوق کو  
خالی کر کے اور گھونٹ میں منہ چھپا چھپا کے اپنے گھروں کو چلیں۔ ادھر آسمان پر بات بھر کر چاکی  
نازنیناں بزم انجم نے خار آلود آنکھیں جھپکا جھپکا کے نور کی چادروں میں رخ الود چھپا لے  
اور اپنی خواجگاہوں کی راہ لی۔ جہاں سے آتش مزاج و شوخ طبع زند فلک یعنی آسمان چلے  
چلے جانے کو بعد آنکھیں کھولیں گے۔ باد سحر کے جھونکوں نے بدستان خرابات کو جلا جلا  
کے بجائے حبی علی الصلوٰۃ کے ”حبی علی الصبح“ کا مژدہ سنایا۔ مسجدوں میں  
اذانوں کا۔ بت خانوں میں ناقوس کا۔ اور کلیسا میں گھنٹوں کا شور مچا ہوا۔ اور دیرو حرم  
سب جگہ لوگوں نے اپنے معبود حقیقی کی طرف توجہ کی۔

اس حالت میں عفت آرا کی بھی آنکھ کھلی روز روشن ہونے کو ابھی دیر تھی۔ اس لیے  
بجائے اس کے کہ وہ مرزا مسعود کو ناز کے لیے جگائے حوائج ضروری اور وضو کے لیے  
کمرے سے باہر نکلی۔ محمدی ماما کو اٹھا کے پانی مانگا۔ اور انگنائی میں کھڑی ہو کے  
رخصت ہونے والے تاروں کی صحبت بھری صورتیں دیکھنے لگی۔ اتنے میں محمدی  
چوکی پر پانی رکھ کے آئی تو اسے پاس بلا کے کہا ”تم رات کو وہاں گئی تھیں؟“  
محمدی ”جی حضور گئی تھی۔“ یہ جواب پانے کے بعد عفت آرا محمدی سے کچھ دیر تک  
چپکے چپکے باتیں کرتی رہی۔ پھر چوکی پر گئی۔ وہاں سے آ کے حمام کیا۔ اور ان سب

کاموں سے فراغت کر کے واپس آئی تو دیکھا کہ روز روشن ہو چکا ہے۔ مگر میان ابھی تک  
سست خواب ہیں۔ اُنھیں جگا کے کہا "اُسے تو کیا اب نماز نہ پڑھو گے؟"  
مرزا مسعود (انگڑائی لے کے) "ہاں اُٹھتا ہوں" یہ کہہ کے مرزا مسعود اُٹھے۔  
باہر گئے۔ اور وہ جاننا نہ بچا کے نماز پڑھنے لگی۔ اور جب مرزا مسعود حواج ضروریہ سے  
فارغ ہو کے آئے ہیں اُس وقت وہ بیچھی تلاوت قرآن کر رہی تھی۔ مرزا صاحب نے  
بھی نماز پڑھی۔ اور نماز کے بعد بھی جب دیکھا کہ بی بی فیروزہ عبادت و قرآن خوانی میں  
مشغول ہیں تو بولے "بس ہو چکی نمازِ مُعلیٰ اُٹھائیے"  
عفت آرا۔ (جو آپ پڑھ رہی تھی اُسے ختم کر کے) "ماشاء اللہ اتواب مجھے  
قرآن بھی نہ پڑھنے دو گئے؟"

مرزا مسعود "توبہ! احاذ اللہ یا تلاوت قرآن سے منع کرنا مسلمان کا کام ہے؟ لیکن  
اتنا چاہتا ہوں کہ ذرا چاروا کا بند و بست کرو۔ پھر چھٹی دیر تک چاہتا ہوں پڑھتی رہے۔"  
عفت آرا "سورۃ ختم ہونے کو دو رکوع باقی ہیں۔ اُسے پورا کر لیں تو قرآن کو  
گردانوں" یہ کہہ کے پھر تلاوت میں مشغول ہو گئی اور مرزا مسعود خاموش بیٹھ گیا۔  
سوچ میں پڑ گئے۔ اتنی دیر میں عفت آرا نے قرآن گردانا باورچی خانہ میں جا کے کھا  
کر محمدی چولہا جلایا۔ چاء اور ناشتہ تیار کر رہی ہے۔ اُسے جلدی کی تاک کہہ کر کے اپنے  
کمرے میں واپس آئی اور میان کو اب تک فکر کے دریا میں غرق دیکھ کے لڑکی "تھیں  
دل ہی دل میں بی فیروزہ کی صحبت کا مزہ اُٹھانے کا حوب موقع مل گیا۔"  
مرزا مسعود "غیب کی باتوں کا پتہ لگاتے لگاتے اب تو تم دل لہا کا حال بھی  
جاننے لگیں۔"

عفت آرا "اسی لیے تو مجھے اپنے موکل سے بڑی محبت ہے۔ وہ ایسا محتاج ہے  
کہ جو بوجھتی ہوں تباہ دیتا ہے اور جو چاہتی ہوں اُس کی مدد سے معلوم کر لیتی ہوں۔"  
مرزا مسعود "مگر میں تو اُس کا جانی دشمن ہوں۔ تھیں تو اُس سے غیب کی باتیں  
معلوم ہو جاتی ہیں مگر میرا اُس نے ناطقہ بند کر رکھا ہے۔"

عفت آرا "ایسا نہ کہو۔ ابھی تھیں بھی اُس سے کام لینا ہے" یہ کہہ کے وہ  
اُن کھڑے پتھر کے گلابان بنائے لگی۔ پھر آپ ہی آپ کسی خیال پر مسکرائی۔

اور میان کی طرف دیکھ کے بولی "کیا" تم نے محمود علی سے وہ پچاس روپے نہیں وصول کیے؟  
مرزا مسعود: "ہاں میں نے تو دو دن ہے اور آج کا دن گزرے قدم ہی نہیں نکالا۔ اور اُس روز  
اُس شرط پر تم ایسی خفا ہوئیں کہ اب تو میرا ارادہ نہیں ہے کہ اُن سے اُن روپوں کا ذکر بھی کروں۔  
مجھے تو وہاں کا کچھ حال بھی نہیں معلوم خدا جانے وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ اور کس خیال میں ہیں؟  
عفت آرا: "نہں کے" اس کا حال مجھ سے پوچھو؟"

مرزا مسعود: "تم سے پوچھوں؟ تم کیا جانو؟"  
عفت آرا: "اے مجھ سے کوئی بات چھی رہتی ہے؟ میں سب جانتی ہوں۔ کسی کی زبانی  
محمود علی نے سُن پایا ہے کہ میں نے اُن کو اور حامد حسین کو لُٹا اور غنہ اور فیروزہ کو بازاری عورت  
کہہ دیا۔ اس پر سب کو بڑا غصہ ہے۔ مگر تم ہی بتاؤ میں نے جھوٹ کہا تھا؟"  
مرزا مسعود: "مگر یہ خبر کس نے پہنچائی؟ مجھ سے قسم لے لو جو میں نے ایک لفظ بھی زبان سے  
نکالا ہو؟"

عفت آرا: "اے تو میں کب کتنی ہوں کہ تم نے کہا۔ اب تو محمود علی کو بھی غیب دانی کا  
دعوے پہ نہ؟"

مرزا مسعود: "یہ غلط ہے کسی نے تم سے جھوٹ کہہ دیا ہو گا۔ انھیں اس بات کا دعویٰ  
ہوتا تو کبھی تو میرے سامنے ظاہر کرتے؟"

عفت آرا: "مجھے جھوٹ خبر نہیں پہنچا کرتیں۔ بیسیوں دفعہ آزمائے پر بھی  
تھیں شک ہے؟"

مرزا مسعود: "شک تو نہیں ہے۔ مگر یہ خیال یہ تھا کہ تحقیق میری تمام باتیں معلوم ہو جاتی  
ہیں یہ نہیں جانتا تھا کہ ساری دنیا کے حالات سے بھی تم واقف ہو جاتی ہو۔ اور نہ  
اب تک ایسا خیال ہے؟"

عفت آرا: "میں سب جانتی ہوں جس بات کو چاہتی ہوں معلوم کر لیتی ہوں۔  
جب تک محمود علی سے تم ملے ہو اُس وقت تک انھیں یہ دعویٰ نہیں تھا۔ مگر اب نہ  
ہیں کہ غیب دانی کا ہنرمیں نے بھی سیکھ لیا؟"

مرزا مسعود: "ہو گا بھی۔ اب اس ذکر کو جانے ہی دو۔ میرا ارادہ ہے کہ اب اُن لوگوں  
سے ملنا مطلقاً ترک کر دوں۔"

عفت آراء مگر اس کا کیا علاج کہ نکتہ فیروزہ تمہیں کسی طرح بھولتی ہی نہیں ہے جب یاد آجاتی ہے گھٹن اُس کا خیال بندھا رہتا ہے اور آنکھ لگ جاتی ہے تو اُسے خواب میں دیکھتے ہوئے مرزا مسعودیہ بالکل سچ ہے جب تم خود ہی جانتی ہو تو مجھے چھپانے سے کیا حاصل ہے؟  
عفت آراء اسی لیے کہتی ہو کہ آج پڑھنے سے فراغت کرنے کے بعد تم فیروزہ سے جا کے مل آؤ۔ وہاں تمہارے دل کو ذرا تسکین بھی ہو جائے گی۔ دو لون دوست بھی مل جائیں گے اور مجھ و علی کے دعوے بھی اپنے قانون سے سن لینا۔

مرزا مسعودیہ میں تو جانتا ہوں کہ اس میں چاہے مجھ پر جبر ہو یا ظلم ہو یا جو کچھ ہو تم اب مجھے وہاں نہ بھیجو۔

عفت آراء میں تو سچ نہ جانے دیتی مگر تمہاری تکلیف اور بتیابی مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ گو تمہارا وہاں جانا اندیشہ ہے خالی نہیں مگر میں خوشی سے اجازت دیتی بلکہ خود ہی بھیجتی ہوں جاؤ مگر خدا کے لیے اپنے آپ کو سنبھالے رہنا۔ وہ لوگ مکار شغفی اور بدمعاش ہیں اور تم نیک اور سید سے سادے ہو۔

مرزا مسعودیہ تو تم نے مجھ بالکل بے وقوف ہی سمجھ لیا ہے؟  
عفت آراء اور سب طرح سے تم عقلند ہو۔ تمہاری عقل و تیز اور تمہاری ہوشیاری کے سامنے کسی کی کوئی ہستی نہیں۔ مگر ایک زندگی کا واسطہ ہونے کی وجہ سے وہاں تمہاری عقلندی بیکار ہے۔ جناب یہ ہے کہ اُس پر تمہارا دل آیا ہو اسے اور مجبور ہو کہ اُس کی بات کو سچ مان لو۔

مرزا مسعودیہ تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میرے ساتھ جو وہ خلوص محبت کا اظہار کرتی ہے۔ اس میں وہ جھوٹی ہے؟

عفت آراء جھوٹی اور جھوٹی۔

مرزا مسعودیہ کو تمہارے کہنے سے مان لون۔ مگر مجھے مجھے تو اُس کی محبت سچی معلوم ہوتی ہے۔  
عفت آراء وہی سچی ہے تم پر اُس کا جادو چلا ہوا ہے۔ اور اُس کے معاملہ میں تمہاری عقل سمجھ اور تمہارے ہوش و حواس سب بیکار ہیں۔

مرزا مسعودیہ یہ کیونکر ہے؟

عفت آراء سنو! اس کا تو تم کو یقین ہے کہ میں علم غیب رکھتی ہوں؟

مرزا مسعودؒ پورالتینؒ

عفت آراء ہر طرح سے آزما چکے کہ چاہے کسی ہی پوشیدہ بات ہو مجھے معلوم ہو جاتی ہے اور بالکل سچ۔ جس میں جھوٹ کا ذرا بھی شبہ نہیں ہوتا۔

مرزا مسعودؒ میں دفعہ آزما چکا اور ہمیشہ سچ پایا۔

عفت آراءؒ یہ سب ہے مگر میرے اس کتنے کا تعین تعین نہیں آتا کہ فیروزہ جو تمہارے ساتھ محبت کا دعویٰ کرتی ہے۔ اس میں جھوٹی ہے۔

اس کے جواب میں مرزا مسعود عاجز ہو گئے اور عفت آراءؒ نے کہا ”جواب دو؟ آخر کچھ تو کہو؟“

مرزا مسعودؒ کیا کہوں؟ کچھ کہتے نہیں بنتا۔

عفت آراءؒ اچھا کبھی تم نے یہ بھی خیال کیا کہ فیروزہ تعین دل سے چاہتی ہے تو چہرہ کیوں کر لے کے کیوں بھی ہے؟ اس کے بیان سو طرح کے آدمیوں اور بیرون

امیر زادوں کی آمد و رفت کیوں ہے؟ یا کو اس شریف زادوں کی طرح الگ مکان کے کیوں نہیں ٹھہرتی؟ بخت اسی کا نام ہے کہ تمہاری الفت کا دم بھرے اور پکیاس مردوں کو اپنی بخل میں بٹھائے؟

مرزا مسعودؒ یوں کہنے میں مکان لے کے بیٹھ جائے تو کھائے کیا؟ آخر اسے پیٹ بھی پالنا ہے۔

عفت آراءؒ تمہاری غیرت کے بھی قربان جانیے۔ سچ ہے انسان اس کو چہرہ میں جا بے غیرت بھی ہو جاتا ہے۔ یہ تم کو گوارا ہے کہ وہ عورت جو تمہاری محبت کا دم لہرتی ہے اور

جس سے تم کو بھی الفت ہے اپنا پیٹ پالنے کے لیے بیسوں مردوں کی بخل میں سنو کرے؟

مرزا مسعودؒ (ہسینہ ہسینہ ہو کے) لے اب خدا کے لیے اس ذکر کو چھوڑو اور چاہے منکر اور ان فضول باتوں کا نتیجہ ہی کیا ہے؟ میں نے تو کہہ دیا کہ اب اس کے وہاں نہ جاؤں گا۔

عفت آراءؒ چاہے تو آتی ہی ہے۔ (ابھی کہاری کو آواز دے کے کہ چار جلدی لا) مگر میں یہ گفتگو انجام کو پہنچانے بغیر نہ ہوں گی۔ تعین بتانا ہو گا کہ یہ باتیں تعین گوارا ہوتی ہیں؟

مرزا مسعودؒ تو خدا خواستہ مجھ سے اس سے کسی قسم کا تعلق متھوڑا ہی ہے۔ اس کی صورت ذرا بھی معلوم ہوئی۔ دو گڑھی دل ہلانے کے لیے جانے لگا۔

عفت آراءؒ مگر اس جانے سے حاصل؟ یونین دہلی دہلی پوری دہلی ہو جاتی ہے۔ اور آٹھل پڑھتے پڑھتے انسان ہو نچا پڑیا کرتا ہے۔ ابھی تو وہ تمہارے دل پر چھائی ہوئی

چار دن میں تھکے جان مال کی مالک ہو گئی۔  
 مرزا مسعودؒ نے تم تو بچے پر لگیں۔ لوہن مانے لیتا ہوں کہ اُسے مجھ سے محبت نہیں چلو چٹی ہوئی ہے؟  
 عفت آراؒ یوں زبردستی مان لینا کس کام کا؟ میں تمہیں اس وقت بے قائل کیے نہ ہو گئی۔  
 مرزا مسعودؒ میں ہر طرح قائل ہونے کو موجود ہوں۔

عفت آراؒ یہ نہیں یوں نہ مانوں گی۔ بس ایک صورت ہے؟  
 مرزا مسعودؒ وہ صورت بھی بتاؤ۔

عفت آراؒ تم فیروزہ کی محبت کا امتحان کرو۔  
 مرزا مسعودؒ جس طرح کہو۔

عفت آراؒ اُس سے کہو کہ اگر مجھے سچے دل سے چاہتی ہو تو میرے گھر میں چل کے بیٹھو  
 اور عام لوگوں سے ملنا چھوڑ دو۔

مرزا مسعودؒ وہ تو خوشی سے قبول کر لے گی مگر تمہیں گوارا ہوگا؟  
 عفت آراؒ دل و جان سے۔ اے میں تو اُسے سر آنکھوں پر بٹھاؤں گی۔ اور لونڈی  
 ہی کے اُس کی خدمت کر دیں گی؟

مرزا مسعودؒ اب میں دیکھتا ہوں کہ تم نے مذاق شروع کر دیا۔  
 عفت آراؒ میں قسم کھا کے کہتی ہوں کہ اس میں ذرا فرق نہ ہوگا۔ وہ تمہاری محبوبہ ہے۔  
 اور میں فقط تمہاری خوشی کی خواہاں ہوں۔ جس طرح تمہاری لونڈی ہوں اُسی طرح  
 اُس کی بھی لونڈی ہوں گی جو تمہیں دل سے عزیز ہو۔ اور جس کے خوش رہنے میں  
 تمہاری خوشی ہو۔ اُس کی خدمت کرنا میرا فخر ہے۔ میں اُسے اپنا تاج بنا کے رکھوں گی مگر ان کا لاؤ  
 مرزا مسعودؒ لیکن شاید وہ نکاح پر تراضی نہ ہوگی۔ یوں ہر طرح پابندی کے  
 ساتھ میری ہو کے رہنے کو تیار ہو جائے گی۔

عفت آراؒ یہ کیوں؟ اس لیے کہ چار دن کے بعد جب بی صاحب کا دل بھر جائے  
 تو اپنے گھر کی راہ میں اور سنے دوستوں سے راہ و رسم پیدا کرے؟ اسی کا نام محبت ہے؟  
 مرزا مسعودؒ مگر میں تو سمجھتا ہوں کہ فیروزہ میرے ساتھ نکاح کرنے پر بھی راضی ہو جائے گی۔  
 عفت آراؒ بس پھر کیا ہے راضی کرو۔

مرزا مسعودؒ دیکھو پھر تمہیں شکایت نہ ہو؟

عفت آراؑ ذرا نہیں۔ میں تو وعدہ کر چکی کہ اُس کی نوڈھی بن کے رہوں گی۔

مرزا مسعودؑ نے مگر آبا جان اور سارے عزیز خواہو جائیں گے؟

عفت آراؑ میں اس کی بھی ذمہ داری کرتی ہوں سب کو راضی کر دوں گی۔

اجھی کماری دیر سے دست بستہ کھڑی تھی۔ عفت آرا نے اب اُس کی طرف متوجہ ہو کے کہا۔ ”تو آخر جاء کب آئے گی؟“

اجھی۔ ”میں تو منتظر کھڑی تھی کہ حضور بابتین کو حکم دے تو دسترخوان بچھاؤں۔“

عفت آراؑ میں نے کہا تھا کہ جب تک میں بابتین نہ کر چلوں تم کھڑی رہنا؟

اجھی۔ (دسترخوان بچھاتے ہوئے) حضور یوں بھی مجھے بہتیز اور بے ادب کہتیں۔

مرزا مسعودؑ یہ تو حکم کی نقیل تھی۔ اسے بد تمیزی یا بے ادبی سے کیا تعلق؟

عفت آراؑ یہ بھی ایک بہانہ نکال لیا ہے۔ جبردار پھر ایسا نہ ہو۔

اس کے بعد دونوں میان بی بیوں نے دو چار توس۔ تھوڑی سی روغن روٹی دو ایک

ادھے کھائے۔ چار پی۔ ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی عفت آرا نے لپک کے محمدی کو

کھانے کے متعلق دو چار بابتیں بتائیں۔ اور اُسے پاؤں داپس آ کے کمرے کے دروازے

خند کیے۔ اور دونوں اپنی معمولی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔ بیٹھے بیٹھے عفت آرا نے کہا۔

نکل عمہ تماری پچھو جی جان نے بلایا ہے۔ ارادہ ہے کہ ایک دن کے لیے چلی جاؤں۔

مرزا مسعودؑ تو شوق سے جاؤ۔ مجھ سے کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

عفت آراؑ میں تم سے بے پوچھے کہیں نہیں جاسکتی۔

فعلم کے گھنٹہ گھنٹے پڑھنے میں مرن کرنے کے بعد گیارہ بجے کے قریب دسترخوان بچھا۔

اور کھانے سے فارغ ہو کے مرزا مسعودؑ ہاتھ دھو رہے تھے کہ عفت آرا نے کہا۔ ”اے اب

آج ٹاک تم اپنے دوستوں سے مل آؤ۔ اور جس بات کا وعدہ کیا ہے اُس کی کوشش ضرور کرنا۔“

مرزا مسعودؑ کیون مجھے عذاب میں پھنساتی ہو؟ اور تم بھی ابھی اس کے نتائج سے واقف

نہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ انجام میں پھٹاؤ گی۔

عفت آراؑ میں ہرگز نہ پھٹتاؤں گی۔ اور تمہیں اس سے مطلب ہی کیا؟ پچھلے

اُسے راضی تو کر دو۔

مرزا مسعودؑ بہتر۔ تمہاری یہی خوشی ہے تو جاتا ہوں۔



یہ کہہ کے مرزا مسعود نے کپڑے پہنے۔ نگلی کی۔ اور مگر سے نکل کے اس کھلی دنیا میں پہنچے جس سے کوئی دن تک جدار پہنے کے باعث غیر مانوس سے ہو گئے تھے۔

## بارصوان باب

پھر وہی کوئے عجائبان

کوئی پہرہ نہ چڑھا ہو گا کہ بی فیروزہ کو گانے بجانے کی تعلیم سے فراغت ہوئی۔ استاد تو چلے گئے۔ مگر دیس کی ایک چیز جو آج بھی سیکھی تھی اسے چکے چکے غغایا تو لے سے باہر ہو گئیں۔ دل میں یہ اندیشہ ہوا کہ یہ چیز ذہن سے نہ اتر جائے۔ حامد حسین کی طرف نظر اٹھا کے دیکھا تو وہ اوجر نشیت کیے آئینے کے سامنے بیٹھے طرح طرح کے منہ بنا کے اپنی مختلف تصویریں دیکھ رہے تھے۔ آئینہ میں ان کی وہ عجیب و غریب شکل دیکھ کے زور سے ہنسنے لگا۔ پھر بولی "اونی! ماشاء اللہ! کیا کیا کھیلے ہیں اے بس اپنی چھپ دیکھ چکے۔ اب ذرا اوجر متوجہ ہو؟"

حامد حسین "کیوں؟"

فیروزہ "میں گاتی ہوں تم با بیان لے کے ذرا ٹھیکا تو دیتے جاؤ۔"

حامد حسین "جی اس کام کے لیے اپنے چلیے کو بلائیے۔"

فیروزہ "نہیں میرے سر کی قسم فلا با بیان لے لو۔"

حامد حسین "زبردستی کی اور بات ہے۔" یہ کہہ کے انھوں نے با بیان لیا۔ ادنیٰ فیروزہ

گانے گئیں اور جب اطمینان ہو گیا کہ اب لے سے باہر نہیں ہوں تو کہا "بس اب رہتے دو۔"

حامد حسین "ذرا بن سوار کے بیٹھ۔ محو زکی آتے ہوں گے اور تمہیں ان کو بھانسناسے۔"

فیروزہ "انہیں آنے تو دو ابھی بالکل سیدھا سادہ ملا ہے۔"

حامد حسین "صبح کو اُٹھتے ہی میرے پاس دوڑے آئے۔ اور کہنے لگے آج میں سکول

نہ جاؤں گا۔ وہاں کے عوض سیدھا فیروزہ جان کے مگر جاؤں گا۔"

فیروزہ "ہنس کے)" تو تم نے انہیں اچھے اسکول میں داخل کر دیا۔"

حامد حسین "لڑکا مگر سے خوش ہے۔ اور ماں باپ کو بلا دلا۔ جو مانگتا ہے مل جاتا ہے۔"

اور آج کل بے حد بے حیا رہا ہے۔ بگڑا ہوا طرح۔ میں نے کہا کہ اور کہیں کیوں جائے

ہیں سو بخادون۔ اگر تم پر فرشتہ ہو گیا تو مجھ کو بن دامن کا غلام ہو گا۔ مگر آسا خیال سب کے کہ خدا اپنے آپ کو لیے دیے رہنا۔“

فیروزہ ۲۰ اے مجھے سکھاتے ہو! اور بان اے محمود علی تو کہتے تھے کہ آج مرزا مسعود بھی آنے والی ہیں صاحب حسین ۲۱ وہ چاہے آئیں یا نہ آئیں مگر اب ان پر تھا ساقا بوجھنا مشکل ہے۔ اول تو پہلے ہی سے بڑے سیانے تھے۔ بیسویں زندگیوں کے دہان گئے۔ اور ہمیشہ کورسے نکل آئے۔ ان کے دل پر کسی جادو نہ چلا۔ وہ تو خدا جانے تم لے کیا کر دیا کہ تمہارے بھندے میں نہیں گئے تھے مگر اب جوڑو ایسی زوردار اور اس بلا کی ملی ہے کہ اس نے ہم سب کے دانت کھٹے کر دیے اور مرزا جی تو اس کے ہاتھ میں چڑ غوٹ ہی ہیں۔“

فیروزہ ۲۲ مگر کیا کون مجھے کچھ ان کا ایسا خیال ہو گیا ہے کہ وہ کہہ کے غصہ آتا ہے۔ کوئی ایسی تدبیر ہوتی کہ اس ظالم چکور کی کا کفر ٹوٹا۔ محمود علی تو بہت کچھ زور لگا رہے ہیں مگر تم نے ہاتھ پاؤں ڈال دیے۔“

صاحب حسین ۲۳ محمود علی تو سہری ہو گئے ہیں۔ خواہ عوام کو رات دن اسی اُدھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں مگر میں تم سے کہہ رکھتا ہوں کہ ہوئے ہوئے کا کچھ نہیں۔ اور صفت میں ذیل ہوں گے۔“ یہ باتیں پور ہی تھیں کہ میان محمود علی ایک بلا سے ناگمان کی طرح اُدھکے صورت دیکھتے ہی فیروزہ کے چہرے پر رونق سی آگئی اور بولی ”کو کیا کر آئے؟“

محمود علی ۲۴ ہم جھلابے کچھ کیے آئے ہیں؟ لو اور کیا چاہتی ہو؟ مرزا مسعود اس وقت آتے ہوں گے۔“

فیروزہ ۲۵ تمہیں میرے سر کی قسم؟“

محمود علی ۲۶ تمہاری جان کی قسم؟ اور لو یہ بھی یاد کر لو کہ آج تم سے خوب کھل کے ملین گے۔ لگاؤ کریں گے۔ اپنا عشق ظاہر کریں گے۔ اور نکاح کا ذکر چھڑین گے؟“

فیروزہ ۲۷ دونی بات کراچ! اسے تو کیا اب دوسرا نکاح کریں گے؟ ایک نکاح سے دل نہیں بھرا؟“

محمود علی ۲۸ دل بھرا ہو یا نہ بھرا ہو مگر تعین شادی کا پیام دین گے؟ اور بان وہ جو کل تمہارے بیٹا بنیں آئے تھے۔ محمد زکی؟ وہ بھی آتے ہوں گے۔ وہ بان مرزا مسعود کا ساتھا کرتے دڑتے ہیں۔ انہیں کسی ایسی جگہ بخاد دینا کہ مرزا مسعود انہیں نہ دیکھیں۔“

## فیروزہ : ”دیکھا جائے گا“

یہی باتیں ہورہی تھیں کہ پر کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ اور سب کو خیال گذرا کہ مرزا مسعود آگئے۔ مگر اس خیال کو محمد زکی کی صورت نے رفع کر دیا۔ جن کو دیکھتے ہی حامد حسین نے کہا ”آئیے!“ اور انھیں بلا کے اپنے اور بی فیروزہ کے درمیان میں بٹھالیا۔ فیروزہ نے نہایت معمولی طریقہ سے اُن کی مزاج پُرسی کی۔ اور مرزا مسعود کا خیال اس قدر دل و دماغ پر حاوی تھا کہ پھر محمود علی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اور کہا۔ ”کس کی شامت آئی ہے جو اُن کے نکاح کرے گا؟ اُن کی لاڈلی وطن اُسے زندہ ہی کیوں چھوڑے گی؟“

محمود علی : ”مگر دیکھو تم انھیں دو ملک جو اب نہ دے دنیا“

فیروزہ : ”تو کیا تمھارا یہ مطلب ہے کہ میں راضی ہو جاؤں؟ یہ تو قیامت تک نہ ہوگا“

محمود علی : ”اجی اس وقت دفع الوقتی کرنا ہے۔ تاکہ وہ کچھ پیسہ نہ کھڑ جائیں۔ اور خالی زبان سے اقرار کر لینے سے تم کسی کی جو روتھوڑا ہی ہو جاؤ گی؟“

ان باتوں میں محمد زکی کا دل لگتا تھا۔ کل ابتدائیں تودہ بیان چھپے ہوئے تھے۔ اور منہ سے بات بھی نہ نکلتی تھی مگر کل ہی بی فیروزہ نے مار پیٹ کے سیدھا کر دیا تھا۔ اور ایک ہی دن کے درس عشق میں ایسے بے باک ہو گئے تھے کہ آج جو عقول ہی دیر بھی فیروزہ جان کو اور طعن متوجہ اور نکاح کے تذکرے میں مصروف دیکھا تو بولے : ”اور مانا کہ آپ کسی کی جو روتھوڑا ہی ہو جائیں گی۔“

مگر جب تک نکاح نہیں ہوا ہے اُس وقت تک تو ذرا غریبوں پر بھی نظر غایت رہے۔“

فیروزہ : ”اُدنی! اب تو اشاء اللہ سے خوب چپکنے لگے۔ اسے گھبراؤ نہیں پہلے تمھاری صورت کو جھلسا بتاؤں گی تب کہیں جاؤں گی۔“

محمد زکی : ”اچھا تو ایک دن میرے بیان و دعوت قبول کرو۔ ناچنکا گا تا۔ دو گھڑی بیچنے کے ہنسنا ہو نا۔ اور جب جی چاہے چلی آنا۔“

فیروزہ : ”کس دن؟“

محمد زکی : ”تم پہلے وعدہ کرو۔ پھر دن بھی مقرر ہو جائے گا۔“

فیروزہ : ”تو میرے ساتھ یہ حامد حسین اور محمود علی بھی آئیں گے؟“

محمد زکی : ”ہاں سب کی دعوت ہے۔ وہاں کوئی غیر حضور ہی ہوگا۔ یہی دو چار آدمی جو یہاں بیٹھے ہیں وہاں بھی ہوں گے۔“

فیروزہ: ”تو ابھی دس پندرہ دن ٹھہراؤ۔ ان دنوں مجھے کئی جگہ مجروحین جانا ہے۔“  
محمد زکی: ”وہاں بھی مجرا ہی سمجھ کے آؤ۔ لیکن ایک بات ہے۔“

فیروزہ: ”وہ بھی کہہ ڈالو۔“

محمد زکی: ”مگر اُسے ایکٹیل میں کون گا؟“

فیروزہ: ”تو اُدھر دوسرے کمرے میں چلون؟“

محمد زکی: ”وہاں چلو۔“ دونوں اُٹھ کے تھلیہ کے کمرے میں گئے۔ جہان محمد زکی نے موقع پا کے اپنی بتابی و پتھرائی ظاہر کی۔ دل کا حال کھول کے سامنے رکھ دیا۔ اور کہا ”اتنے دنوں صبر کس سے ہو سکے گا؟“

فیروزہ: ”اے اُمّ اسی سے دعوت کرتے ہو؟ پہلے گڑھیا میں جا کے ٹھہر دو صبراً و اِسا اب تو اتنی بھی ہون گی تو تو ان کی۔“

محمد زکی: ”خدا کی قسم ہر جاؤں گا؟“

فیروزہ: ”مزید جو میری جوتی سے۔ کیا جلدی مزے میں آئے ہیں! اے یہاں برسوں انسان کو سیدہ اسی کرنی پڑتی ہے۔ نہ ابھی میں تمہارے حال سے واقف ہوں نہ تمہارا مذاق مجھے معلوم ہوا ہے۔ جانتی ہی نہیں کہ تم کون ہو۔ اور کس مرض کی دوا ہو۔“

محمد زکی: ”ابھی کوئی چوہن مگر تمہارے رُخ زیبا کا دیوانہ ہوں۔“

فیروزہ: ”ایسے بہت سے دیوانے آیا کرنے ہیں جنہیں میں تمہیں بھی سنیں لگاتی۔ یہی حامد کی کی مدت تھی جو تم سے اتنی جلدی بے تکلف ہو گئی۔ ورنہ مہینوں تک تو میں کسی سے بات نہیں کرتی۔“

محمد زکی: ”افو! بڑی سنگدل ہو! بڑی ظالم ہو! اچھا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی قسم کی گستاخی نہ کروں گا۔ اب تو میری دعوت قبول کر دی؟“ یہ کہتے وقت ایک میس روپہ کا نوٹ نکال کے فیروزہ کے شلو کے کی جیب میں رکھ دیا۔

فیروزہ نے نوٹ رکھتے وقت تو کوئی مزاحمت نہیں کی مگر جیسے ہی دیکھا کہ نوٹ جیب میں پہنچ گیا۔ ہاتھ جھٹک کے بولیں ”اوئی ہٹ کے بات کرو۔ چڑے کے ہاتھ لگائے دیتے ہیں۔ تم تو بڑے اُستاد نکلتے۔ اسی بہانے سے ہاتھ لگالیا۔“

اتنے میں دوسرے کمرے سے محمود علی کی آواز آئی ”اے یہ! وائٹ آپ ہی کا انتظار

ہو رہا تھا " اور ساتھ ہی حامدین نے پکار کے کہا " فیروزہ جان! کہاں گئیں؟ لومرز مسعود آگئے۔ اب کیا ہے۔ لوگمی کے چراغ جلاؤ۔" یہ سنتے ہی فیروزہ جان اُدھر لپکیں تو محمد زکی نے نہایت ہی بدحواسی کے ساتھ روک کے کہا " خدا کے لیے تجھے تو کہیں چھپا دو۔"

فیروزہ " کیوں؟"

محمد زکی " میں ان کے سامنے نہیں آسکتا۔ کل ہی گھر سے نکال دیا جاؤں گا۔ تمہارے سر کی قسم ان سے بہت ڈرتا ہوں۔"

فیروزہ " اوئی تو کیا وہ ہوا ہیں؟"

محمد زکی " ہاں میرے لیے ہوتا ہی ہیں کہیں انھیں جھوٹوں بھی معلوم ہو جائے کہ میں بیان موبو ہوں تو قیامت آجائے۔"

فیروزہ " اچھا تو تم اس کمرے میں بیٹھے رہو۔"

محمد زکی " وہ بیان تو نہ آئیں گے؟"

فیروزہ " نہیں۔ اور آئیں گے بھی تو میں پہلے سے آکے تمھیں کہیں اور چھپا دوں گی۔"

یہ کہہ کے بی فیروزہ ناز و انداز سے قدم اٹھاتی مگر کوبل دیتی اور دوپٹے کے انجل کے ساتھ جھونکے لکھاتی ہوئی پہنچیں۔ اور مرزا مسعود کی صورت دیکھ کے بولیں " ہائیں! یہ آج آفتاب کدھر سے نکلا ہے؟"

مرزا مسعود (حیرت سے بی فیروزہ نمودار ہوئی تھیں۔ اُسی طرف اشارہ کر کے) " اُدھر سے! "

فیروزہ " بس بندی کے حال پر مہربانی ہی رہے۔"

محمد علی " کیوں فیروزہ جان میں نے کہہ نہیں دیا تھا کہ آج آئیں گے اور بی بی کے پیچھے ہوئے آئیں گے۔ پہلی بات کا تو ثبوت مل گیا۔ اب دوسری خود ان سے پوچھ لو۔"

فیروزہ " اے ہاں مرزا صاحب کچھ اور بھی سُنا ہے تمہاری بی بی کی طرح اب تو انھیں بھی علم غیب آ گیا؟"

مرزا مسعود " ہاں سن چکا ہوں؟"

فیروزہ " کس سے؟"

مرزا مسعود " اپنے مگر میں بیگم سے اور کس سے سُنتا ہے۔"

حامدین (حیرت زدہ ہوئے) " تو انھیں اس کی بھی خبر ہو گئی؟"

مرزا مسعودؒ نے کوئی بات ان سے چھپی تھوڑے ہی رہتی ہے۔ وہ تو جن ہیں جن (محمود علی کی طرف دیکھ کے) ہاں خوب یاد آیا ہے وہ اُس روز کی شرط کے پچاس روپہ توڑے دیے گئے۔“  
محمود علیؒ اور اس کا جوت کہ اُس روز کے سارے حالات آپ کی بی بی کو معلوم ہوئے تھے؟  
مرزا مسعودؒ نے معلوم ہی ہو گئے تھے۔ میں نے ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا۔ اور انھوں نے یہاں کا آنا۔ تم سے شرط بدنا۔ فیروزہ جان کو کھانا کھلانا۔ جو جو کچھ واقعات گزرے تھے بلا کم و کاست بیان کر دیے۔“

محمود علیؒ ”مگر آپ ہی شرط بدو۔ اور آپ ہی اپنے بیان پر حجت بھی لو۔“ تھے بہن آنا بھی نہیں جانتے کہ بغیر دلیل کے کوئی کیوں ماننے لگا تھا؟ اور جو تم نے آپ ہی اپنا کچا چٹا نہیں سنا دیا ہو تو؟“

مرزا مسعودؒ استغفر اللہ! بھلا میں پچاس روپہ کے لیے جھوٹ بولوں گا؟ یا تین سو فیروزہ کا؟ محمود علیؒ ”لیکن آپ ہی انصاف سے کہیں کہ یہ کس قانون میں لکھا ہے کہ جو بدلے والا ہوا اسی کو بدلے دعوے بے دلیل مان لیے جائیں؟“

مرزا مسعودؒ ”قانون معاہدہ میں چاہے نہ لکھا ہو۔ مگر جس اخلاقی قانون پر ہمارا عمل؟ اُس میں یہ ضرور لکھا ہوا ہے۔ یوں نہ دینے کی اور بات ہے۔ مگر شرط میں ضرور جیتا۔“ محمود علیؒ ”میں مانے لیتا ہوں کہ آپ کی بی بی کو سب باتیں معلوم ہو گئی تھیں۔ چنانچہ اسی بنا پر آپ کے جان نثار دوستوں کو وہ لپکا شند اور فیروزہ جان کو جن کی شرافت میں کسی کو غدر نہیں ہو سکتا بازار می عورت کہہ بیٹھیں۔“

مرزا مسعودؒ ”تو بس تین پھر کس بات کا عذر ہے؟ تم کو خود ہی جبر ہے کہ ان کو سب باتیں معلوم ہو گئیں۔“

محمود علیؒ ”عذر یہ ہے کہ گو یہ سچ ہے مگر آپ بغیر ثبوت کے شرط کی رقم پانے کے مستحق نہیں۔“ فیروزہ جان اس گفتگو کے اثناء میں مرزا مسعود کے پہلو میں آ کے بیٹھ گئی تھیں اب گفتگو کو بدلے ہوئے دیکھ کے بولیں۔ ”اے ہٹاؤ بھی۔“ ٹکڑے پچاس روپہ کی بھی کوئی اصل حقیقت ہے جن کے لیے جھگڑا ہے؟ محمود علی نہیں دیتے تو لو میں دیے دیتی ہوں۔“ یہ کہہ جیسے وہی محمد زکی کا دیا ہوا نوٹ نکالا اُسے کھول کے دیکھا اور کہا ”لو میں روپہ یہ ہوئے۔“ باقی رہے تیس ہونے بھی لو۔ (حاضرین سے) ”ذری میرا صندوق تو ادر سے اٹھا دینا۔“

مرزا مسعودؒ: ”میں خدا کی قسم نہ لون گا۔“  
 محمود علیؒ: ”یوں تو میں بھی ابھی بسا دینے کو تیار ہوں۔ مگر پہلے یہ اپنا قانونی حق ثابت کر لیں۔“  
 فیروزہؒ: ”اے بھارت میں کیا قانونی حق! اب کوئی اور باتیں بھی کرو گے یا اڑے ہی جاؤ گے؟“  
 (مرزا مسعودؒ سے) ”اجی تم نے ان کے علم غیب کا امتحان بھی کیا؟“  
 مرزا مسعودؒ: ”بھلا علم غیب کوئی آسان چیز ہے؟ ادھر ادھر سے دو ایک باتیں لے بھاگے ہوں گے۔“

فیروزہؒ: ”اے نہیں۔ انھیں سب باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔“  
 مرزا مسعودؒ: ”ہو گا۔ میری بی بی نے بھی اب اتنی ترقی کی ہے کہ پہلے تو انھیں فقط میری باتیں معلوم ہو جاتی تھیں۔ اب تم سب کی باتوں سے بھی وہ واقف ہو جاتی ہیں۔ خدا جانے کیا اصرار ہے! میری سچھ مین تو نہیں آتا۔“  
 فیروزہؒ: ”اچھا یہ بتاؤ کہ کئی دن کے بعد آج ادھر بھول کر یوں پڑے؟“  
 مرزا مسعودؒ: ”کیا کہوں؟ نہ رہا گیا۔ کسبت دل لے نہ مانا۔“  
 فیروزہؒ: ”اے تو تمھاری دھن کو اور سب ہنر آتے ہیں یہ نہیں آتا کہ تمھارے سینہ پر ہاتھ رکھ کے ذرا دل کو بھی تسلی دے دیا کریں؟“  
 مرزا مسعودؒ: ”یہ ہنر تو بس یقین کو آتا ہے۔“

فیروزہؒ: ”میرا نام نہ لو۔ تمھاری زبان سے یہ باتیں سن کے مجھے بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ یا تو اس قدر جو رو کے غلام ہیں کہ ہفتوں کے بعد آج کین صورت دکھائی ہے اور یا یہ خنزیر لے کے آئے ہیں۔ مجھے منہ دیکھے کی محبت اور جھوٹ برج باتیں بنانے سے نفرت ہے۔“  
 مرزا مسعودؒ: ”خنزیر نہیں۔ آج تو تمھارے صبر کی قسم دل میں ٹھکان کے آیا ہوں کہ اب روز روز کی مصیبتیں کون جھینے؟ اب فیصلہ کر ہی کے جاؤں گا۔“

فیروزہؒ: ”میرا تمھارا فیصلہ یا ان ہو چکا۔ وہ خدا کے سامنے ہو گا۔“  
 مرزا مسعودؒ: ”اجی آج ہی فیصلہ پورہ تم کو کھو رہی۔“

فیروزہؒ: ”تو کیا فیصلہ ہو گا؟ پھر میں بھی نوسنوں۔“

مرزا مسعودؒ: ”اچھا تو؟“ یہ وہ صبر گرد کہہ دوں گا۔

فیروزہؒ: ”اے اے ہے! کچھ فیضان ہوتا ہے۔ کچھ کہنا ہو جلد ہی کہو۔“

مرزا مسعودؒ میں یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اب بے تمہارے دل کو چین نہیں پڑ سکتا۔ میں نے دل کو روک کے بہت آزمایا مگر معلوم ہو گیا کہ یہ کسی طرح نہ مانے گا۔“

فیروزہؒ بڑی سہرا بی۔ اے ہوش میں ہو کہ نہیں؟ دھن ہاں کو یہ باتیں معلوم ہو گئیں تو چھپا کا بل ڈھونڈتے پھر دگے۔ اُن کے منہ کل کھڑے سُن رہے ہوں گے۔“

مرزا مسعودؒ اجماعاً اُن سے بھی فیصلہ کر لیا۔ اور آخر مجبور کر کے راضی کر ہی لیا۔“

فیروزہؒ اے کس دل سے؟ یہ میرے حال پر اُن کی نظر عنایت کیوں ہوئی؟ چاہتی ہوں گی کہ اپنے قبضہ میں کر کے ستائیں۔ باندھ گئے ماریں۔“

مرزا مسعودؒ بھلا میرے ہوتے کسی کی مجال پڑ ہی ہے کہ بھین ستائے؟ اس کے بعد مرزا صاحب نے فیروزہؒ کے کان میں جھک کے کہا، ”کین الگ چلو تو اطمینان سے باتیں کریں۔“

فیروزہؒ اکان میں بہت آہستہ سے ”تو اچھا میں یہاں سے اُٹھی جاتی ہوں۔ دو چار سنٹ کے بعد تم بھی اُٹھ کے اُس کمرے میں چلے آنا۔“ یہ کہہ کے بی فیروزہؒ نے محمود علی کی تعریف شروع کی۔ اور دو چار باتوں کے بعد اُٹھ کے چلی گئیں۔

## تیرھواں باب

### محبت کا امتحان

فیروزہؒ جان یہاں سے اُٹھ کے گئیں تو باورچی خانہ کا ایک چکر لگا کے سیدھی اُس کمرے میں پہنچیں جہاں محمد زکیؒ کو بٹھائی تھیں اور اُن سے جاتے ہی کہا، ”کین جلدی چھپو؟“ محمد زکیؒ ”کیوں؟“

فیروزہؒ ”مرزا مسعودؒ یہاں آتے ہیں۔ لے جلدی اُٹھو۔“

محمد زکیؒ (گجرا کے) ”تو پھر میں کہاں جاؤں؟“

فیروزہؒ (ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے) ”اُس کوٹھڑی میں چلے جاؤ۔ اور جب مرزا مسعودؒ یہاں آئیں تو تم دوسری طرف کا دروازہ کھول کے چپے سے چلے جانا۔ لے اب خدا کے لیے جلدی اُٹھو نہیں تو وہ آہی جائیں گے۔“

محمد زکیؒ سے گجراہٹ میں سو اس کے کچھ نہ بنی کہ بھاگ کے کوٹھڑی میں ہو رہے۔ اور بی فیروزہؒ نے اُن کے جاتے ہی جھٹ اُدھر سے گندھی چڑھا لی۔ اور اپنے ایک اسیر



دل نہ گر گہر کو اُدھر ڈال کے قد آدم آئینہ کے سامنے جو دیوار میں لگا ہوا تھا کھڑی ہو کے اپنے حسن کی باراد کھینچنے لگیں۔ کبھی اپنی چشم مست کو دیکھ کے دل ہی دل میں کہتیں رگس نقان اسے کہتے ہیں۔ اور کبھی زلف پچان کے دم پرچ پر نظر ڈال کے فراتین دل اس میں پھنستے ہیں تو پھر اسی میں الجھ کے رہ جاتے ہیں۔ اس کے بعد دوستی رومال سے آنکھوں کے کوؤں سے سر نہ پونچھا۔ اور باجھون سے پان کی سرخی پونچھ رہی تھیں کہ مرزا مسعود آگئے۔ اور انھیں خود آرائی و خود بینی میں مشغول دیکھ کے بولے ”انشاء اللہ! دیکھو کہ میں تم ہی میری رقیب بن جاتا“

فیروزہ :- (ایک ٹنڈی سانس لے کے) ”جاؤ اپنا کام کرو۔ دل میں تو خاک اڑ رہی ہے بس زبانی باتیں لے لو۔ بھئی مجھے ایسے زبانی جمع خرچ سے نفرت ہے؟“  
مرزا مسعود :- ”تو تھیں یقین ہی نہیں آتا۔ مگر تم جانتی ہو کہ میں جھوٹ نہیں بولتا“  
فیروزہ :- ”سب جانتی ہوں۔ تمہارے دل میں میری محبت ہوتی تو ہی ہوتا جو تم کر رہے ہو؟ اے آج کوئی چھ سات دن کے بعد تو صورت دکھائی ہے“  
مرزا مسعود :- ”خدا کی قسم تم میری مجبور یوں کو نہیں جانتیں“

فیروزہ :- ”لاکھ مجبوریاں ہوں۔ دل کو لگاؤ ہو تو انسان کسی کا بھی خیال نہیں کرتا۔ اے تم کیا جانو کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ میں سچ کہتی ہوں کہ محبت بہت بُری چیز ہے۔ تمہارے سامنے ایک تھوڑا سا لگاؤ ہو گیا ہے۔ اُسی میں یہ حالت ہے کہ نہ کسی چیز میں مزہ آتا ہے اور نہ کسی پہلو پر آتا ہے۔ رات بھر تمہارا خیال آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور فحشاء حرام ہو جاتی ہے۔ تم اپنے چین سے لیٹ کے سوتے ہو۔ اور میں پرہیز کروٹیں بدلا کرتی ہوں یہ ساری سہ دیکھی کی باتیں ہیں۔ بس رہنے بھی دو۔“

مرزا مسعود :- ”میں تم کھا کے کتنا ہوں کہ چاہے آؤں یا نہ آؤں مگر تمہاری یہ پیاری صورت ہر گھڑی اور ہر وقت ان مشتاق آنکھوں کے سامنے رہتی ہے۔“

فیروزہ :- ”اے اب بہت آپے سے باہر نہ ہو عیب دان وطن کے موکل تمہاری یہ سب باتیں اُٹھیں جا کے لگا آئیں گے۔ اور تمہارا کہیں تپ نہ لگے گا۔“

مرزا مسعود :- ”ان اُٹھیں معلوم ہے شک ہو جائے گا۔ مگر اب مجھے اس کی چندان پروا نہیں۔“

فیروزہ - (بشاش چہرے سے) "این! تو کیا بی بی سے لڑائی ہو گئی؟"  
مرزا مسعود - "نہیں مگر میں نے انھیں اس بات پر راضی کر لیا کہ تم سے بھی تعلقات رکھوں۔"  
فیروزہ - "اے ہے بڑی مہربانی کی۔ میری طرف سے اُن کا شکریہ ادا کرونیہ۔ تو پھر اب تم یہاں  
روزہ آیا کرو گے؟"

مرزا مسعود - "ان تم سے روز ملوں گا۔ لیکن اب تم بھی سچ سچ بتا دو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے  
یا نہیں؟ اور مجھ سے واسطہ رکھنا چاہتی ہو یا اس میں تامل ہے؟"  
فیروزہ - "یہ باتیں مجھ سے نہیں اپنے دل سے پوچھو۔"  
مرزا مسعود - "میرا دل تو یہ کہتا ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت بھی ہے اور تم مجھ سے واسطہ بھی رکھنا  
چاہتی ہو۔"

فیروزہ - "اچھا میں نے مانا کہ تم سچے ہو۔ پھر؟"  
مرزا مسعود - "پھر یہ کہ اگر حقیقت میں ایسا ہے تو میری کچھ شرطیں ہیں؟"  
فیروزہ - "وہ کیا؟"

مرزا مسعود - "مجھے یہ گوارا نہیں ہو سکتا کہ تم سے مجھ سے بھی تعلق رہے اور اور لوگوں کی بھی تمہارا  
یہاں آمد و رفت ہے اور وہ بیویوں خریدار تمہیں گھیر لے ہیں۔"

فیروزہ - "اور کیا تمہیں یقین ہے کہ تم سے راہ درسم پیدا کرنے کے بعد میں کسی اور سے بھی سلام و  
پیام رکھوں گی؟ اے جو تم وفاداری کا وعدہ کرو تو میں جیلا کسی اور کی ہو سکتی ہوں؟ یقین  
جاؤ کہ سوا تمہارے کسی کا منہ تک تو دیکھوں گی نہیں۔"

مرزا مسعود - "بس! بس! یہ کافی ہے تو میں جس طرح کہوں گا رہو گی؟"  
فیروزہ - "جس طرح رکھوں گا! اب تم مجھے اپنی بی بی کے حوالے کر دو اور وہ مجھے  
رات دن جوتیاں لگا یا کریں تو یہ ہونے سے رہا۔"

مرزا مسعود - "نہیں جیلا یہ ہو سکتا ہے؟ تو اگر تمہارے رہنے سننے اور آرام و آسائش کا  
پورا سامان کر دیا جائے اور تم کو کسی بات کی تکلیف نہ ہو تو میری ہن کے رہو گی؟"

فیروزہ - "سر آکھوں سے۔ یہی تو میری تمنا ہے۔"  
مرزا مسعود - "تو میں الگ مکان لے کے رکھوں گا؟ اور پورے میں بچاؤں گا؟"  
فیروزہ - "مجھے سب طرح منظور ہے۔"

مرزا مسعودیہ تو اب ایک اور بات بھی سن لو۔  
 فیروزہ : ہاں۔ سب کہہ ڈالو۔ کوئی بات اٹھانہ رکھنا۔  
 مرزا مسعودیہ : میں اگر کوئی برہمنی پرہیزگار نہیں مگر تم جانتی ہو کہ حرام کاری سے ہمیشہ بچا رہا۔  
 اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میرا قدم کبھی بڑے راستہ میں پڑا ہے۔ اگر کہیں میرا ساتھ دینا ہے۔  
 میری ہو کے رہنا چاہتی ہو اور میرے ساتھ بنا ہے کو تیار ہو تو نکاح ہو جائے۔  
 فیروزہ : نکاح ! ہوش کی دوا کرو مجھ سے نکاح کر کے گھر میں رہنے بھی پاؤ گے؟  
 مرزا مسعودیہ : اس سے تعین کیا ہے میں تو بندوبست کر لوں گا؟  
 فیروزہ : یہ کوئی آسان بات نہیں۔ بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے۔  
 مرزا مسعودیہ : میں مشکلوں میں پڑ جاؤں گا تمہاری بلا سے۔ تم کو کوئی مشکل نہیں ہے؟  
 فیروزہ : مجھے بھی مشکل ہے۔  
 مرزا مسعودیہ : مشکل ہونے کی وجہ یہ نکاح کے لیے تین شرطیں ہیں وہ سب تعین قبول ہیں پھر  
 کون سی مشکل میں آسکتی ہے؟  
 فیروزہ : تم جانتے ہو کچھ اپنے بندے میں لے کے ہر طرح سے بے بس کر دو۔  
 مرزا مسعودیہ : تو یہ کہو کہ تعین مجھ پر اعتبار نہیں۔ اور نیچے دل سے بنا ہے کوراضی ہو۔  
 فیروزہ : وہ تمہاری حکومت تو میں ہر طرح سے لوں گی۔ مگر تمہاری بی بی کی حکومت مجھ سے  
 نہ اٹھائی جائے گی۔  
 مرزا مسعودیہ : میں تو کہتا ہوں کہ اُن کو تم سے کوئی واسطہ ہی نہ ہوگا۔  
 اب فیروزہ سے کوئی بات بنائے نہ جیتی تھی۔ اور نہ کوئی جواب بن پڑا تھا۔ آخر پریشان  
 دل جواب ہو کے بولی بھئی اس امر میں جو کچھ اختیار ہے امان جانی کو ہے۔ میں کچھ  
 نہیں کہہ سکتی۔  
 مرزا مسعودیہ : وہ تو کر ڈیرس بھی راضی نہ ہوں گی۔ اور تم جیسی امان جانی کے کہنے  
 میں ہوا سے بھی میں خوب جانتا ہوں۔ سوا باورچی خانہ میں ماماؤن کی طرح پڑے  
 رہنے کے اُن کی اتنی بھی تو مجال نہیں کہ کبھی ایک گھڑی کے لیے تمہارے کرنے  
 میں حلی آئیں۔ یہ کہو کہ تم نے اُن کا ایک ہاتھ نکال لیا ہے۔  
 فیروزہ : نہرا کچھ ہو پھر میری ماماؤن ہیں۔

مرزا مسعود: "خیر کچھ ہو۔ مگر تمہارے ساتھ میرا تعلق اسی شرط سے ہو سکتا ہے۔"

فیروزہ: "تو یہ کہو کہ آج بی بی کے کھانے پر صاف آئے ہو۔ اب وہ چاہتی ہیں کہ کچھ اس طرح اپنے پسین کر کے جو تیاں لگائیں کہ میں چون بھی نہ کر سکوں۔"

مرزا مسعود: "میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ میں نے اُن کو راضی کر لیا ہے۔ اور اُنھوں نے کچھ خوشی سے اجازت دے دی ہے کہ تمہیں اپنے گھر میں بٹھاؤں اور تم سے تعلقات رکھوں۔" فیروزہ: "تو دیے ہی تعلقات۔ کھو جیسے ہم لوگوں سے ہوا کرتے ہیں۔"

مرزا مسعود: "ایسے تعلقات کو تو میں کبھی نہیں پسند کروں گا۔ تم جانتی ہو کہ نہ میں کوئی بازاری شخص ہوں۔ اور نہ کوئی بگڑا ہوا امیر زادہ۔"

فیروزہ: "میں پوچھتی ہوں کہ تم جو میرے بیان یا کرتے تھے تو مجھے شاید ہی کا پیام دینے کے لیے آیا کرتے تھے؟"

مرزا مسعود: "نہیں اس ارادے سے نہیں آتا تھا۔ مگر اُس وقت تک تم سے کوئی تعلقات پیدا کرنے کا خیال بھی نہ تھا۔ تم جانتی ہو کہ میں بیسویں بازاری عورتوں کے وہاں جاتا رہا ہوں اور یہ بھی جانتی ہو کہ کس طرح اور کس موقع سے جاتا رہا ہوں۔"

فیروزہ: "خیر وہ تم جس طرح اور جس ارادے سے آئے گئے ہو مگر میں تمہیں اس امر میں بے سوچے سمجھے جواب نہیں دے سکتی۔ اچھا ہمارے تمہارے درمیان محبت کا تعلق ہو جائے۔ اور مجھے تم جس طرح چاہو الگ مکان میں لے جا کے رکھو بیس دوسرے تمہاری محبت کا رنگ اور تمہارا سلوک دیکھ کے نکاح بھی کر لوں گی۔"

مرزا مسعود: "یہ بھی منظر رہا اور اس صورت میں مجھ سے تم سے کوئی ناجائز واسطہ نہ رہے گا۔ تمہیں الگ رکھوں گا۔ درمیان بھی الگ ہی الگ رہوں گا۔"

فیروزہ: "پھر مجھے الگ مکان میں قید کرنے سے فائدہ؟"

مرزا مسعود: "یہ امید کہ چند روز بعد تم میری ہو جاؤ گی۔"

فیروزہ: "یہ تو مجھ سے نہ ہو سکے گا۔"

مرزا مسعود: "تو پھر سمجھ لو کہ آج کے بعد سے تم میری صورت بھی نہ دیکھو گی میں شک

اس پاری صورت پر جان دتا ہوں۔ ان زلفوں میں دل چنسا ہوا ہے۔ ان ٹکڑوں کے خجروں ان ریشمی ستارہ ٹکڑوں کے تیردن کا شہل ہوں۔ مگر کچھ بھی اپنے دل پر تھاپو رکھتا ہوں۔"

فیروزہ : دیکھو اب تم بے مروتی کر رہو۔ تمہارا دل تمہارے بس میں ہو گا مگر میرا دل میرے  
 بس میں نہیں۔ ہائے تم نے میری محبت کی قدر نہ کی۔ ایک بیتابی دے مہری سے اُس کے  
 یہ کلمات کہنے اور مرزا مسعود سے پیٹ کے رونے لگی۔

مرزا مسعود : میں اس رونے دھونے کو بالکل جھوٹ سمجھتا ہوں۔  
 فیروزہ : (اُس کے منہ کے قریب منہ لے جا کے اور ایک بجولے پن کی اداسے)  
 ”میں جھوٹی ہوں؟“

مرزا مسعود : بے شک جھوٹی ہو۔ اس لیے کہ اس میں ذرا بھی سچائی ہوتی تو تم نکاح  
 سے انکار نہ کرتیں؟“

فیروزہ : ”اے میں کبھی ہوں تمہاری عقل کمان گئی؟ نکاح کوئی ٹھیک ہے یا نہیں  
 یوں باتوں باتوں میں ہوا ہے؟ زندگی بھر کے لیے تمہاری لونڈی بن جاؤں۔ سب  
 ملنے بچنے والوں کو سچ دوں۔ اور ہر طرح سے اپنے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں۔ بھلا یہ  
 کوئی کہنے کی بات ہے؟“

مرزا مسعود : تو یہ کہو کہ میں تم سے مایوس ہو جاؤں۔ اچھا تو پھر اب میرے بیان ٹھہرنے  
 کی کیا ضرورت ہے؟ خدا حافظ! نہایت ہی استقلال اور مضبوطی کے چشمہ دار ہوں  
 یہ کلمات کہہ کے مرزا مسعود نے فیروزہ سے اپنے آپ کو علیحدہ کیا۔ جو اب تک اُن کے  
 سینے سے لپٹی ہوئی تھی اور کمرے نکل کے چلے گئے۔

اُن کے جانے کے بعد فیروزہ کچھ دیر تک تو اُسی دروازہ کی طرف دم بخود کھیتی ہی  
 جس میں سے نکل کے مرزا مسعود گئے تھے۔ پھر آپ ہی گویا خود اپنی طرف خطاب کر کے  
 بولی ”اب ان کا قابو میں آنا دشوار ہے۔ لیکن اسے کیا کر دین کہ انہیں کی طرح میرا  
 دل بھی قابو میں نہیں۔ آخر ان میں کیا بات ہے کہ میں ان کے لیے حیران ہوں؟  
 اُن کی صورت میں کوئی سے لعل جڑے ہوئے ہیں جو دل اُن کا دیوانہ ہو رہا ہے؟  
 مگر آج میں ان سے ہار گئی۔ یہ اپنی بات سے نہ ملے۔ اور میں مجبور ہوں کہ اپنی ضد سے  
 باز آ جاؤں۔ اچھا چلو اب وہاں چل کے دیکھو کہ عمود علی سے ان سے کیا باتیں  
 ہوتی ہیں۔“

یہ کہہ کے اُٹھی۔ مینے کے سامنے کھڑے ہو کے اپنے بال سنوارے۔ آنسوؤں کے

کابل بآیا تھا اُسے پوچھا۔ پھر غور سے اپنی صورت دیکھ کے بولی ”پہلے اپنا منہ دھو ڈالو نہ تب وہاں جاؤں۔ یہ محمود علی اور حامد حسین جیسے سیانے ہیں تاڑ جائیں گے کہ میں روئی ہوں۔ اور چہرہ بدلا ہوا ہے۔“ یہ کہہ کے سیدھی حمام میں گئی۔ وہ نیا سوپ کے دو بار منہ دھویا۔ پانی کے چھینٹے دے دے کے ٹٹھارے ہوئے گالوں پر سے برہم مزاجی کے آگ کے شعلے بجھائے۔ اور تو لیا سے منہ پونچھ کے اُس کمرہ میں آئی جس میں حامد حسین محمد زکی اور محمود علی بیٹھے ہوئے بادشاہ خٹک کھیل رہے تھے۔ فیروزہ نے آتے ہی ان لوگوں کو کھیل میں مشغول دیکھ کے کہا ”اے شاہو بھی۔ یہ کھی نکوڑا کھیف کا کوئی وقت ہے؟“ پھر محمد زکی کے قریب جا کے بیٹھ گئی۔ اُن کے ہاتھ سے بازی لے کے دیکھی۔ اور یہ کہہ گئے کہ ”اسی بازی پر تم کھیل رہے تھے؟“ سب کے سامنے کھول کے ڈال دیے۔

محمد زکی ”یہ تم نے بڑا ستم کیا! میری بہت اچھی بازی تھی۔ والٹہ! دونوں طرف خلال دیتا۔“

فیروزہ - (دونوں ہاتھوں سے محمد زکی کو دھکیل کے) ”اے ہٹو بھی پھین تو بڑے کھیلنے والے ہونہ یہ اور دو طرفہ خلال دیتے؟ منہ تو بڑا اڈو جا کے! محمود علی سے مرزا صاحب کہاں گئے؟“

محمود علی ”وہ تو تمہارے پاس سے کچھ روٹے ہوئے سے آئے اور سیدھے زینے سے اترے چلے گئے۔ ہم لوگوں کی طرف نگاہ اٹھا کے دیکھا بھی نہیں۔“

فیروزہ ”اے تو تم نے رو کا بھی نہیں؟“

حامد حسین ”جی ہاں آپ بگاڑا کرین اور ہم بیٹھ کے بنائیں۔ آپ لوگوں کو ناراض اور خفا کرین اور ہم انہیں سنائیں۔ جی اس کام کے لیے کسی اور کو نوکر رکھیے۔“

فیروزہ - (برہمی سے) ”اور تم کس لیے ہو؟ خدا کی قسم تمہاری اس حرکت سے مجھے بڑا افسوس ہوا۔ اے محمود علی تم نے تو دوا کا ہوتا۔ تم تو رات دن انہیں کی اوسٹین بن کر رہا کرتے ہو۔“

محمود علی ”مجھ سے اُن سے آج شرط کے رو پون کی وجہ سے چٹنی ہوئی تھی۔ میں نے دل میں کہا کہ میں بولوں گا تو اور بگڑ جائیں گے۔“

فیروزہ "تو جانکو مرزا مسعود ہاتھ سے گئے۔ اور اس ٹکڑے کھیل کے پیچھے تم نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔"

حاجہ حسین "اے کھیل تو ان کے جانے کے بعد شروع ہوا ہے۔"  
 محمود علی "اور یہ تم سے کس نے کہا دیا کہ وہ اب نہ آئیں گے؟"  
 فیروزہ "اور کون کہے گا؟ میں کتنی ہوں کہ نہ آئیں گے۔ گئے تو ہمیشہ کے لیے گئے۔"  
 محمود علی "اور میں کتنا ہوں کہ وہ ناک و کرکٹے ہوئے آئیں گے اور سود فدا نہیں گے۔  
 مجال پڑی ہے کہ نہ آئیں۔"

فیروزہ "اے بس باتیں لے لو۔ زبان کے اگلے خنق ہے۔"  
 محمود علی "ہونے کے لیے ہاتھ بڑھا کے" "تو آؤ بدلتی ہو یا کچھ شرط ہو جائے۔"  
 فیروزہ "اے کچھ مرزا جی سے بدانتظامی اور کچھ مجھ سے بدو گے۔"  
 محمد زکی "تمہیں اُن کا اسی قدر خیال ہے تو لو میں کتنا ہوں کہ میں بلالادون گا۔"  
 فیروزہ "تم ضرور بلالادو گے۔ اُن کی صورت دیکھتے ہوئے تو وہ نکلتا تھا۔ یہ بلالائیں گے۔"  
 محمد زکی "اس وقت گنیمت میں دل مہلاؤ کچھ لکھ لینا کہ دو ایک روز میں اُن کو بلالادون گا۔"  
 حاجہ حسین "اجی ہم سب مل کے کوشش کریں گے تو بے ہی آئیں گے۔"  
 اب سب کے کہنے سننے سے بی فیروزہ گنیمت میں مشغول ہوئیں۔ اور محمد زکی کی باتوں اور چہرہ خانوں نے تھوڑی دیر میں انھیں مرزا مسعود کے چکر سے نکال کے دوسرے خیالوں میں مشغول کر دیا۔

## چودھواں باب

### ایک عزیز زمان

مرزا مسعود جو میان سے جھوٹے گئے تو اگرچہ اپنے چہرے سے برہمی کے پتہ نہ دے سکتے تھے مگر یہ وہ ایک باخون کا چمکاٹ کے اور دیر تک دل کو ادھر ادھر کی سیروں میں بھلائے دے لکھ رہے تھے۔ مگر چہرے سے ہنوز برہمی اور برا فروشی کے آثار نمایاں تھے۔ ہوشیار اور دقیقہ رس بی بی دل میں تو سمجھ گئی کہ آج یہ فیروزہ سے بگڑے گئے ہیں مگر زبان سے نہ نکالا۔ اور جب تھوڑی دیر وہ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھ کے

تھنٹے ہوئے تو پاس آ کے کہا "اچھا ہوا تم جلدی آگئے۔ میں سمجھتی تھی کہ تمہیں آنے میں دیر ہوگی۔"

مرزا مسعودؒ: "کیونکہ کیا کوئی کام تھا؟"

عفت آراؒ: "اے ہاں آج تمہارے یہاں مولوی محمد رسول اللہ صاحبؒ نے آئے ہیں۔" مرزا مسعودؒ: "(بے اختیار منہ کے) کون؟ مولوی محمد رسول اللہ! اور اللہ تعجب نام ہے۔ میں نے آج تک نہیں سنا تھا؟"

عفت آراؒ: "تو تعجب کی کون سی بات ہے؟"

مرزا مسعودؒ: "تعجب کی بات ہی نہیں؟ آج تو ایک صاحب محمد رسول اللہ ہوئے ہیں کل لا الہ الا اللہ صاحب پیدا ہو جائیں گے۔"

عفت آراؒ: "مجھے تو اس پر کوئی تعجب نہیں معلوم ہوا۔ بلکہ میں ایک پیر شہر صاحب سوج دہن جن کا نام محمد رسول ہے۔ ہمارے شہر ہی میں مولوی محمد نبی اللہ صاحب موجود ہیں۔ جیسے نبی اللہ دیکھتے ہی رسول اللہ۔ کوئی فرق ہو تو بتاؤ؟"

مرزا مسعودؒ: "فرق تو میں نہیں جانتا مگر مجھے محمد رسول اللہ نام سننے کے خواہ مخواہ نہیں آتی ہے۔ اچھا تو وہ ہیں کون صاحب؟"

عفت آراؒ: "ہمارے آگے کے ایک بڑے مشہور وکیل ہیں ابابا جانے ان سے پرانی دوستی ہے۔ ابھی ابھی ابابا جان کا خط آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آج رات کو وہ بیان آئیں گے اور ہمارے ہی مکان ہوں گے۔"

مرزا مسعودؒ: "(گہرا کسے)" آج رات کو! تو اسٹیشن پر گاڑی بھیجی جا ہے اور ابابا جان کا مردانہ مکان بھی صاف کرنا ہے۔ جب سے تم آئی ہو میں نے باہر کا بیٹھا ہی چھوڑ دیا۔ اور جس مکان میں انسان مہینوں سے بیٹھا ہوا ابابا جان کی خدا جانے کیا حالت ہو رہی ہوگی۔ عفت آراؒ: "تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں نے پہلے ہی سے سب باتوں کا بندوبست کر لیا ہے؟"

ابابا جان کے پاس کھانا بیٹھا ہے کہ ریل کے وقت اسٹیشن پر گاڑی بھیج دیں۔ اور محمد نبی سے کہہ دیا ہے کہ حسین علی اور مدار بخش کو ساتھ لیا کے باہر کے مکان کو چھاڑ پانچھ کے خوب صاف کر دے۔ وہ جھاڑو واڑو دے کے آئے تو تم خود جاکے دیکھ لینا۔ بلکہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ بس فقط اس کی ضرورت ہے کہ چال



چمڑے کے جھاڑو دے دی جائے۔ میرز کرسیان صاف کر دی جائیں۔ اور سونے کے کمرہ میں بینک جھاڑ کے درست کر دیا جائے۔ چلو چھٹی ہوئی۔“

مرزا مسعودؒ: کیا تم اُن کے سامنے آتی ہو؟

عفت آراؒ: بچپن میں تو اُنھوں نے سیکڑوں بار دیکھا ہے۔ بلکہ گودوں میں کھلایا ہے۔ مگر کوئی چار برس تک نہ پردہ کرنے لگی۔“

مرزا مسعودؒ: تم نے مجھے ہی بیٹھے سب باتوں کا انتظام کر لیا۔ میرے تو سُن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ دیکھو کسی بات کی اُنھیں تکلیف نہ ہو۔“

عفت آراؒ: اس کی میں ذمہ دار ہوں کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی۔ لیکن تم ملنے جلنے میں کمی نہ کرنا۔ ورنہ میرا سب کیا دھرا کارت ہو جائے گا۔“

مرزا مسعودؒ: اب میرے ہی گھر میں بھڑک گئے تو کہاں تک نہ ملوں گا۔ ورنہ تم تو جانتی ہو کہ مجھے کسی سے ملنے جلنے میں لطف نہیں آتا۔“

عفت آراؒ: اسی بات کی تم میں کمی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تم لوگوں سے ملو جلو۔ اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے راہ و رسم بڑھاؤ۔ میں تو جانتی ہوں کہ مولوی محمد رسول اللہ صاحب کا آنا اچھا ہوا۔“

مرزا مسعودؒ: یہ کیوں؟

عفت آراؒ: اس لیے کہ اُن سے ملنے کو یہاں کے اکثر وکیل بیرسٹر اور شرکے لائق لوگ آئیں گے۔ اسی بنا پر تم سے اُن سے ملاقات ہو جائے گی۔ پھر اُس کے بعد اُن سے

یارا نہ بڑھالینا تمہارا کام ہے۔ اور تمہیں قانون کی مشق بڑھانے کے لیے ایسے لوگوں سے ملنے کی ضرورت بھی ہے۔“

مرزا مسعودؒ: دیکھا جائے گا۔“

یہ باتیں کر کے عفت آراؒ کو کمرے سے نکل کے باہر گئی۔ اور خانہ داری کے انتظامات میں مشغول تھی کہ محمدی نے اُس کے کہا ”حنور۔ میں دہان جھاڑو تو دے آئی۔ دراز بخش

اور جیس ملی میز اور کرسیاں جھاڑ پونچھ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں جا کے فرش و فرش بھی بچھا دوں گی۔“ اس کے جواب میں عفت آراؒ نے کہا ”دیکھو کھانے کا انتظام بھی تمہیں کرنا ہے میں خود بھی موجود رہوں گی۔ مگر میں جو جو کون اس میں فرق نہ کرتے یا کرتے۔“

اسی سلسلہ میں عفت آرا اور تک محمدی سے باتیں کرتی رہی۔ کھانوں اور تنکھوں کے متعلق بہت کچھ سمجھایا بچایا۔ چند ساعت تک چپکے چپکے اُس سے سرگوشیاں بھی کرتی رہی۔ اور جیسے ہی محمدی اُس کے احکام کی تعمیل میں مشغول ہوتی اُس نے وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھی اور پانڈان کھول کے میان کے پاس بیٹھ گئی۔

مرزا مسعود الماری میں اپنی کتابوں کو درست کر رہے تھے کہ بی بی کو دیکھ کے پاس آ کے بیٹھ گئے اور بولے ”تھارے کہنے سے آج میں وہاں گیا تھا“

عفت آرا۔ (مسکرا کے) ”پھر کیا ہوا؟“ وہی ہوا نہ جو میں کہتی تھی؟“

مرزا مسعود۔ ”وہ راضی تو ہے مگر ڈرتی ہے۔ خیر جو کچھ ہو میں تو کہہ آیا کہ اب مجھ سے تم سے کوئی تعلق نہیں۔“

عفت آرا۔ ”یہ تو تم نے اچھا نہیں کیا۔“

مرزا مسعود۔ (حیرت سے) ”کیوں؟“ تم نے بھی دانش عجیب طبعیت پائی ہے۔ اب اس میں کون سی بُرائی تھی؟“

عفت آرا۔ ”بُرائی بھلائی تو میں جانتی نہیں۔ لیکن اتنا کموں گی کہ ایسے معاملوں میں انسان کو جلدی نہ کرنی چاہیے۔ آج تو جوش میں آ کے تم نے راہِ دہم ترک کر دیا۔ اور گل کد لٹا کر اُس کی باتیں یا د آئیں گی اور دل میں پچھتاؤ گے تو کیا ہو گا؟“

مرزا مسعود۔ ”میں دل کا بڑا مضبوط ہوں۔ جو ارادہ کیا کیا؟“

عفت آرا۔ ”میں نے مانا کہ تم دل کے مضبوط ہو۔ مگر ایسی بات زبان سے نہ نکالنی چاہیے خدا جانے کیا اُفتاد پڑے او کیسی پیش آئے۔ اور کسے خبر ہے کہ اُس وقت قدم چاہے گا۔ یا لڑکھڑکھ جائے گا۔ خیر اب توجہ ہو اسو ہوا۔ مگر تم اس معاملہ میں خد نہ کرنا۔ تمہارا جی چاہے یادہ ہی ملے تو چلے جانا۔ ہاں اس بات پر البتہ جے رہو کہ تم حرام نہ کرو گے۔“

مرزا مسعود۔ ”میں اس بات پر قائم ہوں اور انشاء اللہ قائم رہوں گا۔“

شام کی گاڑی میں مولوی محمد رسول اللہ صاحب آ گئے۔ اور مرزا مسعود سے

نہایت ہی بزرگانہ محبت و شفقت سے ملے اُن کی معافی کی غرض سے مرزا مسعود اور

عفت آرا نے ایک ہفتہ کے لیے صبح اور شام کے عوض تعلیم کے گھنٹہ دو پہر کے وقت

یا زیادہ ذات گئے مقرر کر لیے۔ جب کہ مرزا مسعود مولوی صاحب سے رخصت ہو کے

زمانے میں آتے۔“

مولوی رسول اللہ صاحب نے پہلی ہی رات کو کھانے کے بعد مرزا مسعود سے اُن کی تعلیم اور اُن کے ارادوں کے متعلق تمام باتیں پوچھ لیں قانون میں امتحان بھی لیا۔ اور کہا ”گو آپ پریوٹ طور پر بہت محنت کر رہے ہیں مگر قانون اُس وقت تک نہیں آسکتا جب تک آپ مقدمات کی کارروائیاں نہ دیکھتے رہیں۔ اور قانون پیشہ لوگوں سے زیادہ صحبت کریں۔ اگر آپ میرے ساتھ چل کے چند روز آگرے میں رہیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو امتحان کے لیے بہت ہی جلد تیار کر دوں گا۔“

مرزا مسعود ”یہ تو مشکل ہے۔“

مولوی صاحب ”تو پھر بیان کسی وکیل صاحب سے تعلقات پیدا کیجئے۔“

مرزا مسعود ”میں نے اس وقت تک جتنے امتحان دیے گھر میں بیٹھے بیٹھے محنت کر کے دیے۔“  
مولوی صاحب ”مگر قانون زیادہ تر عمل اور برستے کی چیز ہے۔ اُس کے امتحان کو آپ اُن دوسری چیزوں پر قیاس نہ کیجیے۔“

اب رات زیادہ آچکی تھی۔ مرزا مسعود دونوں خدمتگاران کو برابر حاضر رہنے کی تاکید کر کے گھر میں آئے۔ نماز پڑھی۔ اور بیٹھ کے بی بی سے باتیں کرنے لگے۔ عفت آرا نے پوچھا ”مولوی صاحب کو کسی بات کی تکلیف تو نہیں ہوئی؟“

مرزا مسعود ”نہیں۔ انھیں پلنگ پرٹ کے آیا ہوں۔“

عفت آرا ”کھانا کیسا تھا؟“

مرزا مسعود ”بہت اچھا تھا۔ بلکہ وہ تعریف کرتے تھے۔“

عفت آرا ”اور اُن سے کیا کیا باتیں ہوئیں؟“

مرزا مسعود ”انھوں نے قانون میں میرا امتحان لیا۔ اور کہتے تھے کہ آگرے میں میرے ساتھ چل کے رہو تو میں بہت جلد قانون میں تیار کر دوں گا۔ مگر یہ یونکر ہو سکتا ہے؟“  
عفت آرا ”ہو تو سکتا ہے اور بہت اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ کوئی مشکل بات نہیں کہ تھوڑے دنوں کے لیے ہم تم دونوں وہیں چل کے رہیں۔ مگر اس کو آبا جہان منظر نہ کریں گے۔“  
مرزا مسعود ”نہ میرا بھی وہاں جی نہ لگے گا۔“

عفت آرا ”طالب علمی کو جی گئے سے کیا تعلق؟ بلکہ اور اچھا ہو گا کہ وہ ان ایسی صحبتیں

نہ ہوں گی جتھیں اور باتوں میں لگائیں۔ خیر تو پھر جب تم نے وہاں جانے سے انکار کیا تو انھوں نے کیا راستہ دی؟

مرزا مسعود: ”دیہی جو تم کساکرتی ہو کسی وکیل کے پاس آمد و رفت شروع کروں۔“  
عفت آرا: ”تو پھر کہو دیہی اس کا بندہ نسبت بھی کر دیں۔“

مرزا مسعود: ”اب میں ان سے ایسی فرمائش تو کرنے سے رہا۔“  
عفت آرا: ”اچھا تو میں ہی کہلا بھیجوں گی۔“

مرزا مسعود: ”یہ اُس سے بھی زیادہ نامناسب ہو گا۔“

عفت آرا: ”چاہے تمہارے نزدیک ہو میرے نزدیک نہیں ہے۔ وہ میرے بزرگ اور حقیقی چچا کے برابر ہیں۔ میں ان سے ہر بات کہنے کا حق رطقی ہوں۔ بلکہ صد کہ انھیں مجبور کر سکتی ہوں۔“

مرزا مسعود: ”تو جتھیں اختیار ہے۔“

مولوی محمد رسول اللہ کوئی معمولی وکیل نہ تھے۔ بلکہ مالک متعدد کے ان چند مشہور و کامیاب قانون دانوں اور وکیلوں میں تھے جن کی ہر جگہ شہرت تھی جیسے ہی شہر میں ان کے آنے کی خبر مشہور ہوئی بڑے بڑے سفیرین و کلا اور بیرسٹران کی ملاقات کو آنے لگے۔ اور دن بھر لوگوں کی آمد و رفت لگی رہتی۔ وہ محض سیر و سیاحت کے طریقے سے آئے تھے۔ اس کے سوا ان کے لکھنے آنے کی اور کوئی غرض نہ انھوں نے بتائی اور نہ کسی کے پیچھے کچھ آتی تھی۔ ان کی وجہ سے مرزا مسعود کو کسی وقت چھٹی ہی نہ ہوتی تھی۔ اکثر وہ دن دن بھر انھیں اپنے پاس بٹھائے رکھتے آئے جانے والوں سے ملاقات کراتے اور جب کہیں جاتے تو اپنے ساتھ لے جاتے۔

اب انھیں آئے ایک ہفتہ ہو گیا۔ اور اس مدت میں مرزا مسعود کو کہیں آنا جانا کسی کسی بات کا خیال کرنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ چونکہ بی فیروزہ کو ان کے بگڑے چلے آنے کا بڑا خیال تھا اور محمود علی اور حامد حسین کو تاکید تھی کہ کسی جتن سے گھر گھارے انھیں پھر لائیں۔ وہ دونوں بار بار مرزا مسعود کے مکان کے ارد گرد چکر لگاتے رہے کہ کہیں آئے جاتے راستہ میں تر پھر ہو جائے تو باتوں میں لگا کے بجا میں گھر کسی نے ان کی جھان بھی نہ پائی۔ جو جو دیر ہوئی بی فیروزہ کی بیکاری اور بڑھتی جاتی مگر مرزا مسعود کو اس صحبت کا

خیال بھی نہیں آتا۔

ایک دن مولوی محمد رسول اللہ صاحب سے ملنے کے لیے شہر کے ایک بڑے دکیل مسٹر سلیم آئے۔ جو نہایت ہی سنجیدہ متین اور اسم با مسلحی تھے۔ مسعود کو انھوں نے اُن سے ملایا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ ان کو آپ چند روز تک اپنے ساتھ رکھ کر کھ کے قانون کی تعلیم دیں۔ اور مقدمات کی کارروائیوں سے واقف کر دیں۔ مسٹر سلیم نے بہت خوشی سے قبول کیا۔ اور کہا آپ صرف اتنا کیجیے کہ صبح آٹھ بجے سے گیارہ بجے تک اور تین بجے سے شام تک میرے ساتھ رہا کریں۔ چند ہی روز میں دیکھ لیجیے گا کہ میں آپ کو کیسا بنادیتا ہوں۔ مرزا مسعود نے شرمناکری قبول کر لیا۔ اور قبول کر لیا تو پیچھے ہٹنا بھی پڑا۔ مگر مولوی محمد رسول اللہ سے کہا ”آپ کے تشریف لیجانے کے دوسرے دن سے میں آپ کی خدمت میں جانا شروع کر دوں گا۔“

**مولوی صاحب:** ”اس کی کیا ضرورت ہے؟ میرے ہی سامنے سے جانا شروع کیجیے۔ اور جب میں آپ کو چار پانچ روز پابندی سے جاتے دیکھ لوں گا تب واپس جاؤں گا۔“

مرزا مسعود: ”مجھے تو عذر نہیں مگر آپ کو تکلیف ہوگی۔“

مولوی صاحب: ”مجھے ذرا تکلیف نہ ہوگی۔ آپ کل ہی سے جائیں۔“

مسٹر سلیم: ”ہاں آپ کل ہی سے آئیے۔“

مولوی صاحب: (مسٹر سلیم سے) ”مگر ابھی یہ اسکول سے نکلے ہیں اور سوسائٹی سے بالکل نا آشنا ہیں آپ کوئی ایسا بند و بست کیجیے کہ وہاں ان کا دل بھی لگے۔“

مسٹر سلیم: ”میرے یہاں ان کی بڑی دلچسپی ہوگی۔ اور مقدمات سے زیادہ دلچسپ تو کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ ہر مقدمہ ایک نئی صورت پیدا کرتا اور ایک نئے نئے ناول کی شان رکھتا ہے۔ انسان نے ذرا بھی توجہ کی اور وہ خود اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔“

اس قرارداد کے بعد مسٹر سلیم رخصت ہو کے چلے گئے اور مولوی صاحب نے مرزا مسعود کو سمجھانا شروع کیا کہ ”خبردار آپ ناگاہ نہ کیجیے گا۔ ان کی صحبت آپ کو بہت اچھا قانون دان بنا دے گی۔ کل آپ ان سے مل کے آئیے گا تو میں پوچھوں گا کہ آج آپ نے وہاں کیا دیکھا اور کون سی نئی بات سیکھی۔“

مرزا مسعود کو اس قسم کی صحبتوں سے نہایت وحشت ہوتی تھی۔ دل میں بہت متروک تھے کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ مسٹر سلیم کی صحبت اور ان کی مقدمہ بازیوں میں میرا دل

کیونکر لگے گا۔ گو مولوی صاحب کے پاس ہی بیٹھے رہے مگر شام تک بار بار کل کی آنے والی مصیبت بار بار یاد آجاتی اور فکر مند ہو جاتے۔ رات کو جب بی بی کے پاس آئے تو کہا ”آج مولوی صاحب نے مجھے ایک وکیل صاحب کے پھندے میں پھانس ہی دیا۔ دیکھو ن کسی گزرتی ہے۔ مجھے تو ابھی سے وحشت ہونے لگی۔“

عفت آرا ”یہ تو انھوں نے بہت اچھا کیا۔ وہ کون سے وکیل ہیں؟“  
مرزا مسعود ”ایک ہیں مسٹر سلیم نے ان سے کبھی کی جان پہچان ہے نہ شناسائی پہلے کل سے ان کے پاس جانا پڑے گا۔ میں نے تالا تھا کہ آپ کے تشریف پہنچانے کے بعد جاؤں گا۔ مگر انھوں نے ایک نہ سنی اور کہا کل ہی سے جاؤ۔ جب میرے سامنے دو چار دن جا لو گے اور تمہیں ان کے پاس آتے جاتے دیکھ لوں گا تب لکھو سے جاؤں گا۔“

عفت آرا ”تم مانو یا نہ مانو مگر انھوں نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ میں تم سے کہے کہ یہی تھی کہ کسی وکیل سے ملاقات بڑھھاؤ۔ مگر تم نے سماعت نہ کی۔ آج خدا نے یہ آرزو پوری کی۔“

مرزا مسعود ”اب تمہارا لکھنا پڑھنا بھی تشریف لے گیا۔ صبح آٹھ بجے سے گیا رہ بجے تک اور تین بجے سے شام تک روز ان سے مصاحبت کیا کر دوں گا تمہیں کون پڑھائے گا؟“

عفت آرا ”میری نہ کہو جس وقت تمہیں بیٹھا دیکھوں گی دو چار لفظ پوچھ لوں گی۔ اور تمہیں اس میں بھی تامل ہو تو نہ سہی۔“

دوسرے دن صبح کو ناشتہ کر کے اور مولوی محمد رسول اللہ صاحب سے رخصت ہو کے مرزا مسعود نے مسٹر سلیم کے مکان کا راستہ لیا۔ مسٹر سلیم اگرچہ اہل مقدمہ اور کاہنہ ہاں میں گھرے ہوئے تھے مگر گویا مرزا مسعود کے منتظر ہی تھے۔ صوگرت دیکھتے ہی بڑے اخلاق سے انھیں برابر بٹھایا۔ بے انتہا لطف سے پیش آئے۔ اور ایک مقدمہ کی مشل دے کے کہا اسے آپ ادل سے آخر تک پڑھ کے خوب سمجھ جائیے۔ چلتے وقت اکڑی پر بیٹھ کے میں اس کے متعلق گفتگو کروں گا۔ مرزا مسعود نے مشل پڑھنا شروع کی۔ اور مسٹر سلیم اپنے کام میں مشغول ہوئے۔ تمام ضروری کاموں سے فراغت کر کے

وہ کھانے کے لیے گھر میں گئے اور مرزا مسعود اسی طرح شل کے مطالعہ میں مشغول تھے ٹھیک گیارہ بجے مسٹر سلیم باہر آئے اور مرزا مسعود سے کہا: ”چلیے۔ آپ کو گھر میں پہنچاتا ہوا میں عدالت جاؤں گا۔“

**مرزا مسعود:** ”آپ کو بیکار تکلیف ہوگی۔“  
**مسٹر سلیم:** ”اس کا خیال نہ کیجیے۔ یہ کہہ کے گاڑی پر بیٹھے اور مرزا صاحب کو اپنے برابر بٹھا کے اس شل کا خلاصہ پوچھا۔ اور اسی سلسلہ میں قانون متعلقہ پر ایک مختصر لکچر دیتے اور اُس کے تمام پہلو بتاتے ہوئے مرزا مسعود کے گھر پہنچے جہاں اُن کو آثار کے کہا ۳ بجے عدالت میں آپ کا منتظر ہوں گا۔“

**مرزا مسعود:** ”میں حاضر ہوں گا۔“ یہ جواب پانے کے بعد مسٹر سلیم عدالت گئے اور مرزا صاحب دھڑل ہو کے سیدھے مولوی صاحب کے پاس گئے اور پوچھا: ”جناب نے کھانا تناول فرمایا؟“  
**مولوی صاحب:** ”اب تم آگئے ہو کھاؤں گا۔ منگواؤ۔“

**مرزا مسعود:** ”میرا انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“  
**مولوی صاحب:** ”مجھے ابھی اچھی طرح اشتباہ بھی نہ تھی آدمیوں سے کھانا منگواؤ۔“  
**مرزا صاحب سے:** اب یہ تو بتائیے کہ آج وہاں کیا گزری؟ پہلا دن تھا آپ گھر آئے ضرور ہوں گے۔“

**مرزا مسعود:** ”نہیں اس قدر گھبرایا تو نہیں۔“ اس کے بعد اول سے آخر تک ساری سرگزشت کہ سنائی۔ اور بتایا کہ مسٹر سلیم کس اخلاق و محبت سے پیش آئے۔ اور کیسے اچھے عنوان سے اُنھوں نے تعلیم کا آغاز کیا۔ اتنے میں دسترخوان بچھا۔ اور کھانے سے فارغ ہو کے مرزا مسعود گھر میں آ کے بی بی سے ملے اور مولوی صاحب کو جو سبق سنایا تھا محافت آرا کو بھی سنا دیا۔

مولوی محمد رسول اللہ اس کے بعد وہی دن اور ٹھہرے۔ اور جب دیکھ لیا کہ مرزا مسعود کا دل مسٹر سلیم کی صحبت میں لگ گیا ہے۔ اور اُن سے حتیٰ وعدہ لے لیا کہ وہ اب امتحان پاس کرتے وقت تک اُس صحبت کو نہ چھوڑیں گے تو رخصت ہو کے آگرہ واپس گئے۔

## پندرھواں باب

لائے اُس بت کو التجا کر کے کفر ٹوٹا خدا کر کے

اب فیروزہ کو مرزا مسعود کی بے انتہا تلاش ہے۔ اور اُن کی یہ حالت ہے کہ مسٹر سلیم کے بیان دو وقتہ تا صبح فری دینے کے باعث کہیں آنے جانے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ مگر عفت آرا کی غیب دانی کا زور دیا ہی ہے جس طرح پہلے وہ روز صبح کو فیروزہ سے ملنے اور اُس کے وہاں کی تمام باتیں بتا دیا کرتی تھی۔ اب مرزا مسعود کو مسٹر سلیم کے وہاں جو جو واقعات پیش آتے ہیں اُنہیں صبح ہوتے ہی وہ اپنی بی بی کی زبان سے سنا لیا کرتے ہیں اور کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا مضمون ہے۔

ایک دن صبح کو عفت آرا نے ایک مقدمہ کے متعلق مرزا مسعود کے وہ خیالات بتا دیے جو اُنہوں نے ابھی کسی پرناہر نہیں کیے تھے۔ سنتے ہی کہنے لگے ”بلکہ ساری دنیا کا علم و فضل دولت و جہت سب تمہارے اس غیب دانی کے کمال پر قربان ہیں۔ میرا تو بس یہی جی چاہتا ہے کہ قانون دانوں سب کو چھوڑ چھاڑ کے تمہارا شاگرد ہو جاؤں۔ خدا کے لیے اپنا یہ علم بتا دو۔ اس کے واسطے جو شرطیں کو بھیجی لائے کو تیار ہوں۔ اور جیسا سخت سے سخت پرہیز بتاؤ گی کر دوں گا۔ اور جیسا مشکل سے مشکل امتحان لو گی دوں گا۔“

عفت آرا ”اس کی فکر کرو۔ یہ تو تمہارے گھر کا علم ہے۔ بڑا آسانی سے بتا دوں گی۔“

بتانا کیسا اپنے موکل ہی کو تمہارے حوالے کر دوں گی جس طرح میں اس سے سب باتیں پوچھ لیا کرتی ہوں تم پوچھ لیا کرنا۔ ہاں مگر شرط یہ ہے کہ پہلے قانون کا امتحان پاس کر لو۔“

مرزا مسعود ”تو وعدہ کرتی ہو کہ اگر میں امتحان میں پاس ہو گیا تو بتا دو گی؟“

عفت آرا ”اُسی گھڑی۔ جہلا تم سے مجھے کوئی چیز عزیز ہو سکتی ہے؟“

ان باتوں کے بعد ناشتہ کر کے مرزا مسعود نے مسٹر سلیم کے مکان کی راہ لی۔ دروازے سے نکل کے دو ہی چار قدم گئے ہوں گے کہ محمود علی اور حاج حسین دکھائی دیے۔ دونوں ان کی صورت دیکھتے ہی لبک کے قریب آئے اور صاحب سلامت کر کے حاج حسین نے کہا ”اب تو ملاقات ہی ترک ہو گئی۔ اب سے جی بھی کبھی تو یاد آندہ ہو جایا کرے۔“

مرزا مسعود ”ان دنوں میں ایسا عدم فرصت ہو گیا ہوں کہ کہیں آنے جانے



موتق ہی نہیں ملتا۔

**محمود علی** : اچی تم نے تو ستم کیا کہ فیروزہ جان کی ملاقات بھی بیکلم موتق۔ کل وہ آخر مایوس ہو کے کہنے لگیں کہیں ملین تو بس اتنا کہ دینا کہ کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

**حامد حسین** : جی اور اس کے ساتھ دعویٰ یہ کہ اُن پر مرتے ہیں۔ اور عاشق متناہ بین۔  
**مرزا مسعود** : آنے میں تو مجھے انکار نہیں۔ گو اُن سے کہ آیا تھا کہ اب میرے آنے کی ضرورت نہیں مگر ضرور آتا۔ لیکن خرابی یہ ہے کہ میں ان دنوں تعلیم کی طرف اس قدر غول ہو گیا ہوں کہ دم لینے کی فرصت نہیں ملتی۔ اور ابھی پانچ چھ مہینہ ہی حال رہے گا۔  
**حامد حسین** : تو اس وقت کھڑے کھڑے چل کے مل نہ تو۔ خدا کی قسم وہ تمہارے لیے

بست ہی حیران ہیں۔

**مرزا مسعود** : ہوں گی۔ مگر مجھے یقین نہیں اور میں نے جو آنا چھوڑ دیا تو یہ بھی اُنہیں کا کیا ہوا؟  
**محمود علی** : وائے! مجھے اس کی خبر نہ تھی کہ تھیں اُن سے لال ہے یا ان کی کوئی بات ٹھنکنا گوار گوار ہی۔ ورنہ مجال تھی کہ اتنے دن گزر جاتے اور صفائی نہ ہوتی؟ میں تو بھی صفائی سے ملتا ہوں اور چاہتا بھی ہی ہوں کہ سب دوستوں میں صفائی رہے۔  
 اب تو واسطہ میں اسی وقت لے چلون گا۔ مسلمان کو دل میں بغض رکھنا حرام ہے۔  
**مرزا مسعود** : اس وقت تو میں نہیں چل سکتا۔ لیکن تم دونوں فیروزہ کے وہاں چل کے بیٹھو واپس آتے وقت کھڑے کھڑے ہوں گا۔ میں نے تو کہہ دیا کہ مجھے آنے میں انکار نہیں ہے۔

**محمود علی** : تو کتنی دیر میں آؤ گے؟

**مرزا مسعود** : بس کوئی ساڑھے گیارہ بجے تک وہیں ہوں گا۔

**حامد حسین** : ایسا نہ ہو کہ ہم اپنا حرج کر کے وہاں تھلہ انتظار کریں اور تم غوطہ کھا جاؤ۔

**مرزا مسعود** : استغفر اللہ! بھلا یہ ممکن ہے؟

الغرض اس وقت ان دنوں دوست نمابلاؤں سے بچھا چڑھا کے مرزا مسعود مسٹر سلیم کے گھر گئے۔ اور گیارہ بجے وہاں سے واپس چلے تو گوبوش لگی تھی مگر سید صاحبی فیروزہ کے کمرے کا راستہ لیا۔ وہاں ان کا انتظار ہی ہو رہا تھا۔ فیروزہ جان ان کے آنے کا

مردہ سُن کے متعجب تھیں اور بار بار محمود علی سے کہتی تھیں ”یہ تم نے کیا جادو کر دیا کہ مردہ اٹھانے آئے کا وعدہ کر لیا۔ میں تو سمجھتی تھی کہ قیامت تک نہ آئیں گے۔“

**محمود علی** ”تم مانتی ہی نہ تھیں۔ میں نے تو اسی دن کہہ دیا تھا کہ آئیں اور سو دفعہ آمین اور پُورے نَدِ آمین تو میں پکڑ لاؤں اور جو اس وقت تک نہیں آئے تو اس کا سبب میں تعین نہ کر سکتا ہوں کہ غفلت آرا نے چالاکی سے اپنے میکے کے ایک بڑے دکیل کو بلوا کے انھیں قیامتِ نَدِ آمین اور امتحان کے شگبے میں کس دیا تم جو جانتی ہو کہ مجھے گڑھی گڑھی کی خبریں پہنچتی رہتی ہیں بس انھیں باتوں میں پھنس کے وہ مجبور ہو گئے ورنہ بھلا اتنی دنوں رہا جاتا؟“

اور لوگوں ابھی سے یہ بھی کہہ رکھا ہوں کہ آخر میں وہ ہوں گے تمہارے ہی۔ یہ جو چند روز نہیں آئے یا کم آئیں تو مضائقہ نہیں۔ اور زیادہ لائق اور قابل بن کے تمہارے ہو جائیں گے۔ اور عزت آرا کو دیکھ لینا کہ اپنے حال میں خود ہی پھنسے گی۔“

**فیروزہ** ”آخر یہ کیونکر؟ اور اس کا سبب؟“

**محمود علی** ”سبب یہ کہ مرزا جی کے دل پر جتنا تمہارا اثر ہے غفلت آرا کا نہیں ہے۔ ورنہ تم کو کب کے بھول چکے ہوتے۔ سبب اس روک تھام اور جدائی کی وجہ سے یہ اثر روز بروز بڑھتا جاتا جائے گا۔“

جب یہ دیر ہو گئی اتنا ہی تمہارا اشتیاق بڑھے گا اور بی بی کا کم ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ قانون میں امتحان دے کے پاس ہوں گے۔ ایک لائق اور دولت مند دکیل میں کے آزاد ہوں گے۔ اور اس وقت تم ہی تم ہو گی اور یہ غفلت آرا جس نے ہم سب کو پریشان کر رکھا ہے تمہاری بوندیوں کی طرح کوٹنے میں پڑی قسمت کو رو رہی ہو گی۔“

**فیروزہ** ”تم نے تو ایسی باتیں کہیں کہ مجھے اس کا بالکل یقین آ گیا۔ اچھا تو پھر جیسی جیسی نصیب میں ہیں اُن کو اس امید کے سہارے پر اٹھاؤں گی۔ مگر میں نے بھی ایسا بدلہ لیا ہو کہ وہ بھی یاد کریں گی۔ خدا کی قسم کو اُکھنی بناؤں گی۔“

**محمود علی** ”مگر اب کی ایسی باتیں نہ کرنا کہ وہ ہتھے پر سے اُکھر جائیں۔“

**فیروزہ** ”میں تو خود ہی اس کا لحاظ رکھتی ہوں۔ مگر جب وہ کوئی ایسی بات کہیں جو زمانے کی ہو تو کیا کروں؟ اب وہ کہیں کہ ابھی اسی وقت قاضی صاحب کو بلا کے نکاح پڑھواؤ تو کیلہ کروں؟“

**محمود علی** ”(جن کی آمد و رفت اب بڑھ گئی تھی اور اس صحبت میں بھی شریک تھے) ”اور

جو کہیں مان لینا کہ کہیں ایسا غضب نہ کرنا کہ نکاح کر لو۔ یہ ہو تو میں تمہارے سر کی قسم سر  
چھوڑنے کے مرجاؤں گا۔“

فیروزہ ”مر جا میری جوتی کی نوک سے۔ ایسے شہر ہزار مرا کرتے ہیں۔“

محمد زکی ”چاہے جو کچھ ہو میں نکاح تو نہ ہونے دوں گا۔“

فیروزہ ”اؤئی! اسے تمہارے جلانے کے لیے تو میں ادا ادا کے کر دیں گی۔ دیکھو  
تو تم کیا کر لیتے ہو۔“

حمود علی ”مگر دیکھو فیروزہ ایک نکاح کے معاملہ کو تو جہان تک ہو سکے ٹالنا۔ مگر خبردار  
اور کسی بات میں نہیں کرنا۔ اس وقت مرزا جی اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں  
پر بگڑیں گے۔ آج تم نے ان کی سب باتوں کو مان لیا تو کل تمہارے غلام ہوں گے۔ اور  
جو کوئی کریں گے۔“

فیروزہ ”جہاں تک بنے گا میں خود ہی نہ بگاڑوں گی۔“

محمد زکی ”اب گیارہ بجا چاہتے ہیں مجھے جانا چاہیے کیونکہ مرزا صاحب آتے ہی ہوں گے۔“  
یہ کہہ کے محمد زکی نے اُسٹے کا قصد کیا تو فیروزہ نے اپنے ہاتھ سے ان کا زانو دبا کے کہا۔  
”اے بیٹھو یہی کمان جاؤ گے؟“

محمد زکی ”ان کے سامنے میں بیان نہیں ٹھہر سکتا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ بلا لگی۔ مگر اب پھر  
ان کی آمد و رفت شروع ہوئی ہے تو یہ اگزارہ کیونکر ہو گا؟“

فیروزہ ”نہیں اب آج ان کے سامنے بیٹھے رہو۔ اور میں ملا دوں۔ بس پھر یہ بچ کا جاب  
جانا رہے گا۔“

محمد زکی ”تمہاری جان کی قسم میں نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن کیا اس غصہ نے سن بھی دیا غضب جانیگا۔“  
فیروزہ ”اچھا تو چلو میں تمہیں ایسی جگہ لے جاؤں جہاں کسی کا گزری نہ ہو سکے۔“  
یہ کہہ کے اُٹھی اور محمد زکی کا ہاتھ پکڑ کے اُسی کمرے میں کھینچ لے گئی جس میں ایک بار پہلے بھی  
چھپائے گئے تھے۔ بیان تنائی میں ہوتے ہاتھ محمد زکی نے نہایت ہی التجا کے ساتھ کہا ”دیکھو  
ایسا غضب نہ کرنا کہ مرزا صاحب کے فہرہ میں آکے تم نکاح پر رضی ہو جاؤ۔“

فیروزہ ”(پچھلے سے) اے ہوش کی دو! کہو میں ایسی کچی گولیاں کھلی ہوں؟“  
محمد زکی ”نانہ تم نکاح نہ کر دو گی۔ لیکن اگر تم ان کے گھر میں بیٹھ گئیں تو اچھا نہ ہو گا۔“

میں بھی ابھی سے کہے دیتا ہوں کہ اور کوئی آئے یا نہ آئے مگر میرا انہیں چھوٹے ۷۔

فیروزہ ۷۔ اے تم تو میرا سایہ بھی نہ دیکھ پاؤ گے ۷۔

محمد زکی ۷۔ واہ! بھلا یہ ممکن ہے؟ تمہاری جان کی قسم بخوت بن کے لپٹوں۔ سبھی بھی کیا ہو؟ خراب تو جاتا ہوں۔ مگر اتنا اطمینان دلا دو کہ چاہے جو ہو مجھ سے ملتی ہوگی ۷۔

فیروزہ ۷۔ کچھ سڑی ہوئے ہو؟ میں کہیں بھاگی جاتی ہوں؟ اور مانا کہ یہاں سے اُن کے کہیں اور چلی جاؤں گی مگر تمہاری ملاقات تو ٹاٹا ہی چھوٹ سکتی ہے ۷۔ یہ جو آستے ہی محمد زکی نے بے اختیار لپٹ کے بہت سے بوسے ڈالے۔ اور اب جانے

ہی کو تھے کہ عام نشست کے کمرے سے آواز آئی ۷۔ آئیے! آئیے! ابھی مرزا صاحب ۷۔ محمد زکی ۷۔ لو وہ آگئے۔ بڑا غضب ہوا میں بُرا بھنسا ۷۔

فیروزہ ۷۔ (گھبراہٹ کے ساتھ) ”دیکھو تم اسی طرف کی کوٹری میں چلے جاؤ کیونکہ تمہاری دیر میں میں اُنہیں یہاں لے کے آؤں گی ۷۔ اتنا کہتے ہی بدحواسی کے ساتھ دوڑی۔ گردن ہان پونچ کے جیسے ہی مرزا مسعود سے چار آنکھیں ہوئیں نظر نیچی کر لی ۷۔ مرزا مسعود ۷۔ اے اب کیا میری طرف آنکھ اٹھا کے دیکھو گی بھی تمہیں؟ ۷۔

فیروزہ ۷۔ کس کا دیدہ ہے کہ بے مروتوں سے چار آنکھیں کرے؟ ۷۔ مرزا مسعود ۷۔ ہاں بے مروتوں سے چار آنکھیں نہیں کی جاتیں۔ نظر جھبک ہی جاتی ہے ۷۔

فیروزہ ۷۔ بس کوئی اُلٹے الزام دینا سیکھ لے۔ اس کے تو تم بادشاہ ہو۔ اے میں بھی خواہ مخواہ کو یہاں گھس آئی۔ ورنہ میرا یہاں کیا کام تھا؟ ناگوار ہو تو چلی جاؤں؟ ۷۔

حامد حسین ۷۔ تم سے تو ملنے کو آئے ہیں اور تم ہی چلی جاؤ گی ۷۔

فیروزہ ۷۔ میں تو نگوڑی لوگوں سے ملنے کے قابل ہی نہیں رہی۔ یہ بھی مجھ کو علیٰ میرا ہی ہے جو آج یہ صورت بھی نظر آگئی۔ بھلا میری ایسی قسمت کمان؟ ۷۔

مرزا مسعود ۷۔ بس خا ہو چکیں۔ اب آؤ دو گھڑی باتیں کرو ۷۔

فیروزہ ۷۔ جو لوگ بات بات پر خا ہو جاتے ہوں اُن سے باتیں کرتے بھی کچھ معلوم ہوتا ہے ۷۔

ع۔ خدا جانے وہ کیا پچھین زبان سے میری کیا نکلے؟“  
 مرزا مسعودؒ: ”اب شکوے شکایت تو رہنے دو۔ پھر کر لینا۔ پہلے مجھے ایک گھوری تو  
 بنا دو۔ تم نہیں جانتیں میں۔ آج کل بہت ہی حدیم الفرست ہوں کہ اس وقت بھی جلدی جاناؤ  
 فیروزہ۔ (پانڈان کھولتے ہوئے) ”جانتی ہوں کہ ۶۔ جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے۔“  
 مرزا مسعودؒ: ”ماشاء اللہ! آج کل تو طبیعت بہت موزون معلوم ہوتی ہے۔“  
 فیروزہ: ”فراق میں اور رکھا ہی کیا ہے؟ کیا اس سے بھی گئی گزری ہوئی تھی؟“  
 مرزا صاحب کو سنجیدگی کے گھوری دیتے وقت ان کی آنکھ بچا کے فیروزہ نے  
 محمود علی اور حامد حسین کو اشارہ کیا کہ دو گھڑی کے لیے یہاں سے ٹل جائیں چند  
 ہی منٹ میں وہ دونوں کیے بعد دیگرے ایک ایک کر کے کھسک گئے اور میدان  
 خالی دیکھ کے بی فیروزہ مرزا مسعود کے قریب کھسک آئیں۔ اور چپکے سے پوچھا  
 حضور کا غصہ اُتر آیا ابھی تک باقی ہے؟“

مرزا مسعودؒ: ”غصہ دھتہ کچھ بھی نہیں مگر ہاں اپنی اُسی بات پر اب بھی قائم ہوں۔ اور  
 پرچہ یہ ہے کہ بغیر میری شرط کے پورے ہوئے میرے تمہارے تعلقات نہیں رہ سکتے۔“  
 فیروزہ: ”تو میں نے کس بات سے انکار کیا تھا جو تم اُس دن بگڑ کے چلے گئے؟“  
 اور ایسے گئے کہ پھر کے نہ دیکھا۔“

مرزا مسعودؒ: ”جب تم نے یلوس ہی کر دیا تو میں نے دل میں کہا اُنے سے فائدہ ہے۔“  
 فیروزہ: ”اے تو بہ۔ میں پوچھتی ہوں میں نے کس بات سے انکار کیا تھا؟ بتاؤ  
 بھی تو سہی۔“

مرزا مسعودؒ: ”تم نکاح پر کمان راضی ہو میں؟“  
 فیروزہ: ”میں تو راضی تھی۔ ہاں یہ البتہ کہا تھا کہ مجھے چٹ مگنی ٹ باہ کرنا  
 نہیں آتا۔ تم نے الگ مکان میں رہنے کو کہا میں راضی ہو گئی۔ تم نے پردہ کرتے کو کہا  
 میں نے منظور کر لیا۔ وہ تمہاری کون سی بات تھی جس میں میں نے عذر کیا؟ ہاں اتنا ہی نہ  
 کہ میں نے کہا ایک بارگی سب ملنے والوں کو چھوڑ دوں اور پھر تم بھی الگ تھلک رہو  
 یہ دراصل ہے۔ میں نے اتنا کہا تو تمہیں ماضی سے کہہ دو میں نے کیا بڑا کہا تھا؟“  
 مرزا مسعودؒ: ”اُس روز تمہاری باتوں سے پہلے تو مجھے بے شک یقین آ گیا تھا کہ تم

میری بن کے رہنے پر راضی ہو مگر آخرین تم نے کچھ ایسا کہا کہ میں مایوس ہو گیا۔  
**فیروزہ** : تمہاری ایسی ہی سمجھ ہے تو خدا ہی حافظ ہے۔ اچھا اب کہو کیا چاہتے ہو؟  
**مرزا مسعود** : یہی کہ یا تو مجھ سے نکاح کر لو۔ مگر اب آج کل یہ دشوار ہے کیونکہ جب تک  
 میں دکالت کے امتحان میں پاس نہ ہو جاؤں گا مجھے تم سے ملنے کے لیے فرصت ہی نہ  
 ملے گی اس لیے اب دوسری ہی بات باقی ہے کہ میں تمہیں بیان سے لے جا کے کسی  
 اپنے مکان میں رکھوں۔ تم پردے میں رہو اور میں تمہارے مصارف کا متکفل رہوں۔  
**فیروزہ** : ”مجھے منظور ہے۔ بس اب تو خوش ہوئے؟ اور تم میرے پاس روز آیا  
 کرو گے؟“

**مرزا مسعود** : ہاں اتنا ہو سکتا ہے کہ کھڑے کھڑے آ کے مزاج پوچھ جایا کروں۔ اُن کا  
 روز بلاناغہ مگر اس سے زیادہ نہ ٹھہر سکوں گا۔

**فیروزہ** : ”اور حامد علی اور محمود علی تو مجھ سے مل سکیں گے؟“  
**مرزا مسعود** : ”یہ بھی نہیں۔“

**فیروزہ** : ”تو نہ تم آؤ گے اور نہ کسی اور کو آنے دو گے۔ میں کڑھ کڑھ کے مرنے جاؤں گی؟“  
 مجھے اس میں بھی عذر نہیں۔ میرا خون ہونا ہے تو بلا سے ہو جائے۔  
**مرزا مسعود** : ”اچھا جب تک نکاح نہ ہو اُس وقت تک ان دونوں کو آنے دو۔  
 وہ روز آ کے تمہارا دل بہلا جایا کریں گے۔“

**فیروزہ** : ”خیر یہ مجھے منظور ہے۔ بتاؤ کس مکان میں رکھو گے۔ کل ہی اٹھ ملوں گی۔“  
**مرزا مسعود** : (خوش ہو کے) ”میں آج ہی مکان کا بندوبست کر دوں گا۔ تم چٹنے کے  
 لیے تیار رہو۔“

**فیروزہ** : ”دیکھو اب پھرنے کی سند نہیں ہے۔ یہ ٹھہر گئی۔“

**مرزا مسعود** : ”ہاں ٹھہر گئی۔“

**فیروزہ** : ”ان دونوں کے سوا اور کسی سے بھی نہ ملوں چاہے کوئی ہو؟“  
**مرزا مسعود** : ”کسی سے نہیں۔“

**فیروزہ** : ”میرے دو ایک عزیز ہیں وہ تو ملنے کو آئی ہی گے۔“

**مرزا مسعود** : ”عزیزوں کا ذکر نہیں۔ اُن سے ملنے کو میں نہیں منع کرتا۔ اور پورا پردہ تو

اُس وقت ہوا جب تم میرے نکاح میں آ جاؤ گی۔ لے بس اب رخصت“  
فیروزہؒ : ”اے دمہر تو عہد (بکار کے) اے محمود علی! کہاں گئے ۱۹ لے لے تو  
جاتے ہیں۔ تم سے اتنی ہی دیر بیٹھے نکاح اقرار تھا؟“

محمود علی اور حامد حسین دونوں آ گئے۔ اور محمود علی نے کہا ”ایسی کیا جلدی ہے؟ ابھی شہو  
مرزا مسعودؒ ”نہیں بس اب نہیں ٹھہر سکتا۔“ یہ کہہ کے اٹھے۔ سب سے رخصت ہو کے زینے  
سے اترے۔ اور پکٹے ہوئے اپنے مگر میں آئے۔ گو وہ چپ میں تیز چلنے اور دیر تک  
بھوکے رہنے سے پریشان تھے۔ مگر باوجود اس کے اُن کے چہرے کے اطمینان و مسرت  
کو محنت امانے ذرا تعجب کی نظر سے دیکھا مگر سو اس کے کراچی تھیں دیر ہو گئی۔ اور  
دیکھا مسٹر سلیمؒ آج کچھری نہیں گئے اور کوئی بات نہیں پوچھی۔ اور مرزا مسعودؒ نے بھی اس  
دونوں کی طرف سے کمال دیا۔ مرزا صاحب نے کھانا کھایا۔ تین بجے پھر وکیل صاحب کے  
وہاں گئے۔ رات کو اُس کے حسب معمولی قانون کی کتابیں دیکھیں۔ بی بی کو پڑھایا۔ اور کھائے  
کے بعد سو رہے۔

صبح کو ناز پڑھ کے ناشترہ کر رہے تھے کہ بی بی نے مسکرا کے کہا ”تم نے یہ اچھا کیا کل  
فیروزہؒ سے جا کے مل آئے۔ اور یہ بھی اچھا ہوا کہ اب آج ہی تم اُسے ایک الگ مکان میں  
لا کے رکھو گے۔ لیکن یہ تم نے اچھا نہیں کیا کہ اُسے محمود علی اور حامد حسین سے اور اُس کے  
 عزیزوں سے ملنے کی اجازت دے دی۔ سارا نساد انھیں لوگوں کا ہے۔ اور فیروزہؒ اگر  
پارسا بن کے بیٹھا بھی چاہے گی تو یہ اُسے نہ بیٹھنے دین گے۔“

یہ غیب گوئی کی باتیں اب مرزا مسعودؒ کے لیے معمولی ہو گئی تھیں کیونکہ روز ہی بی بی کے  
ایسے کلمات نظر آیا کرتے تھے بولے ”تم نے خوب یاد دلایا۔ میں مکان کا بند و بست  
کرنے کا وعدہ کر آیا تھا مگر بھول گیا۔ دیکھو آج ہی حسین علی کو بھیج کے اس محلہ میں کوئی مکان  
تلاش کراتا ہوں۔ اور تم جو یہ کہتی ہو کہ ان لوگوں سے ملنے کی اجازت دینا غلطی ہے اسے  
میں بھی سمجھتا ہوں۔ لیکن اجازت نہ دیتا تو کیا کرتا۔ میں زیادہ جانتا تھا۔ اور کوئی ہے نہیں  
پھر اُس کی زندگی کیونکر بھر سکتی؟ جب عقد ہو جائے گا پھر کسی کو حق ہوے ہی پاس پکڑنے دوں گی۔  
اس کے بعد مرزا مسعودؒ سلیمؒ کے وہاں گئے۔ اور آج ہی اپنے خدشا سے ڈھونڈنا  
کے ایک اچھا مکان کرا لے چکے۔ اور بی بی فیروزہؒ اُس میں آئیں جس کے بعد

مرزا صاحب کا عمل تھا کہ روزہ پر کو مشر سلیم کے دہان جاتے وقت فیروزہ سے مل کے اُس کی خیریت دریافت کر لیتے۔ باقی اُن کا سارا وقت قانون میں صرف ہوتا۔

## سولھواں باب

### استحان و کالت

اب بنی فیروزہ کو اس نئے مکان میں آئے ہوئے چار پارچہ مہینہ ہو گئے مرزا صاحب اپنے قول کے مطابق روز دن میں ایک بار آ کے مل جاتے ہیں۔ اور اس کے تمام مصارف کے متکفل ہیں۔ فیروزہ کو سوا اس کے کہ جس کے لیے ساری دنیا کو رخ گئے بھی ہے اُس سے جی بھر کے مٹا نہیں نصیب ہوتا نہ کوئی فکر ہے اور نہ کسی بات کی تکلیف۔ اچھے سے اچھا کھاتی ہے اور اچھے سے اچھا پہنتی۔ مرزا مسعود کی مشغولیت قانون اور مشر سلیم کی صحبت میں اس قدر بڑھ گئی ہے کہ سچ یہ ہے کہ اب انہیں کسی بات میں مزہ ہی نہیں آتا۔ بنی بی کے پاس بھی سوا اس کے کہ رات کو گھر میں آ کے پڑ رہے ہوں یا دن کو کھائے پینے کے لیے گھنٹہ دو گھنٹہ کو چلے آتے ہوں کبھی اطمینان سے بیٹھنے کی نوبت نہیں آتی۔ مگر باوجود اس معروفیت اور اپنی پرانی محبتوں سے بے تعلق ہو جانے کے انہیں اس بات کا یقین ہے کہ فیروزہ نے تمام علاقے ترک کر دیے۔ پارسیاں پنا کر امنی گئی زندگی بسر کر رہی ہے۔ اور میرے لیے دعوئی رما کے بھیجی ہے۔ اس خیال میں ایک رات کو جب کہ وہ کتب بینی سے فراغت کر کے لیٹنے کی تیاری کر رہے تھے اُن کی زبان سے نکل گیا کہ ”اب تو فیروزہ کی حالت ہر طرح قابل اطمینان ہے۔“

عفت آرا ”خدا کرے ہو۔“

مرزا مسعود ”کیوں؟ کیا تمہیں اس میں شک ہے؟“

عفت آرا ”شک! اے مجھے یقین ہے کہ وہ ویسی نہیں جیسا کہ تمہارے سمجھ رہے ہو۔“

مرزا مسعود ”اب بدگمانی کا تو کوئی علاج نہیں۔“

عفت آرا ”میں سچ کہتی ہوں۔“

مرزا مسعود ”انہیں محمود علی اور حامد حسین پر تھارا لگانا ہو گا؟“

عفت آرا ”اے کچھ انہیں پر موقوف ہے؟ خدا جانے کون کون آتا ہے؟“



مرزا مسعودؒ: ”خز کسی کا بھی تو نام لو“

عفت آراؒ: ”ایک دن میں تین دکانوں کی“

مرزا مسعودؒ: ”خیر تو جب دکانوں کی دیکھا جائے گا۔ آج کل مجھے ان باتوں کی طرف توجہ کرنے کی بالکل ہی فرصت نہیں۔ پرسوں سے امتحان شروع ہو گا۔ اور مجھے کل ہی شرکت امتحان کے لیے ار آباد جانا ہے۔“

عفت آراؒ: ”تو کیا تم کل الہ آباد جاؤ گے؟“

مرزا مسعودؒ: ”بے شک اس سے مفری نہیں۔“

عفت آراؒ: ”اور آؤ گے کون دن میں؟“

مرزا مسعودؒ: ”دس دن میں آ جاؤں گا۔“

عفت آراؒ: ”یہ بُری ہوئی۔ میں اس کی کسی طرح روادار نہیں کرتا۔ رات کو کسی اور جگہ سوؤ۔“

مرزا مسعودؒ: ”(منہ کے)“ اشد رنج بد لگانی!“

عفت آراؒ: ”مجھے خدا کی قسم بد لگانی نہیں۔ مگر کچھ ایسی باتیں ہیں جن کی وجہ سے مجھے تمہارا کہیں اور جاکے رہنا پڑا نہیں ہے۔ لیکن خیر جاتے ہو تو میری ایک بات کا خیال رکھنا۔ وہاں تم کسی اور دوست کے ساتھ نہ رہنا۔ اس میں چاہے خرچ زیادہ ہو مگر عزت سے ہوٹل میں ٹھہرنا اور جس کمرے میں سونا اُس میں تمہارے سوا کوئی دوسرا نہ ہو۔“

مرزا مسعودؒ: ”آخر کیوں؟“

عفت آراؒ: ”اگر کتب خانہ بنے کا شوق ہے تو میری یہ صلاح نہ بھولنا۔“

مرزا مسعودؒ نے بی بی کی یہ صلاح قبول کی اور دوسرے دن امتحان دینے کے لیے الہ آباد روانہ ہو گئے۔ اور چونکہ اب امتحان کا زمانہ تھا لہذا سوا قانون کی کتابیں دیکھنے اور شب و روز انہیں من مضمون رہنے کے دنیا و مافیہا سے بچر تھے۔

وہ الہ آباد گئے ہیں تو اُد اب فرمایہ دیکھیں کہ بی بی روزہ کیا کر رہی ہیں۔ مرزا صاحب نے اگرچہ انہیں بازار سے ہٹا کے ایک پریوٹ مکان میں اور گویا اپنے قبضہ میں رکھا ہے مگر زیادہ تر اُن کو انہیں پرچھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ کسی قسم کی نگرانی ہے۔ اور نہ کچھ اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے کہ کس کس کی آمد و رفت ہے۔ مرزا مسعودؒ کے سامنے تو یہی ظاہر کیا جاتا ہے کہ محمود علی اور حاجی حسین کے سوا اور کوئی نہیں آتا مگر کبھی کبھی چھپ کے محمد زکی خاں در

آجاتے ہیں۔ جو بی فیروزہ کے دربارِ حسن کے نہایت ہی بے مبر و قیاب اسید و اندن میں ہیں۔ جس شام کو مرزا مسعود لکھنؤ سے روانہ ہوئے محمد زکی چلکے سے بی فیروزہ کے مکان میں داخل ہوئے۔ اور حسن اتفاق سے اس وقت وہ اکیلی تھیں۔ متعوقہ دہلری کی صورت دیکھتے ہی محمد زکی کی زبان سے نکلا: ”آج مدت کے بعد خدا نے اطمینان نصیب کیا ہے۔“

فیروزہ: ”تم کسی نہ کسی طرح آ ہی جاتے ہو اور اپنی باتوں سے میرے دل میں جگر کرتے جاتے ہو مگر دیکھو یہ اچھا نہیں۔ خدا کی قسم بہت بُرا ہے۔ کہیں مرزا صاحب کو خبر ہو گئی تو غضب ہی ہو جائے گا۔“

محمد زکی: ”تو میں تو آنا نہ چھوڑوں گا۔ اسکو کیا کروں کہ مجھ سے صبر ہی نہیں ہو سکتا۔ اور تھیں یاد ہو گا کہ میں نے اول ہی روز کہہ دیا تھا کہ میں مزور آؤں گا۔“

فیروزہ: ”یہ سب سچ ہے مگر تمہارا مصلحت جو نہیں ہے اس کو کیا کروں؟ اتنے دنوں تم ذرا صبر کرو کہ مرزا صاحب کو میری طرف سے اطمینان ہو جائے پھر دیکھا جائے گا۔ میں کوئی نہ کوئی صورت تم سے ملنے کی نکال ہی لوں گی۔“

محمد زکی: ”اور اتنے دنوں صبر کس سے ہو سکے گا آخر کوئی دیکھ بھال تو ہے نہیں۔ پھر اس میں کیا مضائقہ ہے کہ میں کبھی بھی آ کے تمہارا رخ زیبا دیکھ جایا کروں؟“

فیروزہ: ”کہہ تو چکی کہ مجھے خود تم سے محبت ہو گئی ہے۔ اور جب نہیں آتے ہو تو دل لگا رہتا ہے راہ دیکھا کرتی ہوں۔ لیکن انھیں یا توں کا اندیشہ ہے۔“

محمد زکی: ”اب یہ اندیشہ دل سے نکال ڈالو۔ اور چلو آج تھیں ٹھیکہ کھالائیں۔ آج بڑے لطف کا تماشہ ہے۔ دیکھو گی تو عیشِ عشق کرباؤ گی۔“

فیروزہ: ”جی تو بہت چاہتا ہے۔ مگر کتنی ہوں کسی کو معلوم ہو گیا تو قیامت ہو جائیگی۔“

محمد زکی: ”خبر ہونے کی وجہ سے کوئی آتا جاتا ہو تو بھی کہا جائے کہ کسی رہتا رہتے جانے کا حال کھل جائے گا؟ آج تک کبھی رات کو مرزا صاحب کا کوئی بھی نہ دی آیا ہے؟ اپنی امان جان کو سمجھا دو کہ جاگتی رہیں۔ اور ذرا ہوشیاری سے کام لیں۔ اور تم ایک چادر اوڑھ کے میرے ساتھ یہاں سے محل چلو۔ تھوڑی سی دور پر میں گاڑی میں بیٹھا کے تمہیں دیکھ رہا ہوں گا۔ گاڑی بند رہے گی۔ اور تم وہاں نہ آنے دو جہاں جا کے بیٹھنا۔ کسی کو خبر ہو گی تو کیونکر؟“

فیروزہ - (مخوٹے پس پیش کے بعد) "اچھا تو گاڑی بھی لائے ہو؟"  
محمد زکی - "گاڑی موجود ہے۔"

بنی فیروزہ نے آخر یہی فیصلہ کیا کہ چلنا چاہیے۔ جا کے پُر تکلف کپڑے پہنے۔ خوب بناؤ  
چٹا ڈکيا۔ حسن عالم آشوب میں دلربائی کے پر لگائے۔ اوپر سے ایک دلائی اودھی اور مان کو  
سمجھا بھجاکے محمد زکی کے ساتھ چل کھڑی ہوئیں۔ اور دم بھر میں تھیلٹر کے اندر تھیں۔

## سترھواں باب

باغ کا جلسہ

مرزا مسعود الہ آباد سے امتحان دے کے واپس آگئے اور بہت خوش آئے کیونکہ  
اپنے نزدیک انھوں نے تمام سوالات کے جواب صحیح اور پورے دیے ہیں۔ مگر  
باوجود اس کے جو بھاکے عالم میں ہیں۔ کبھی اسید کامیابی کا یقین دلا کے مقصد درسی خوش  
اقبال کی اعلیٰ صورتیں نظر کے سامنے کر دیتی ہے۔ اور کبھی ناکامی کا دھڑکا اس طرح  
دہلا اور سہا دیتا ہے کہ دل میں ایک وحشت سی پیدا ہو جاتی ہے۔

ان دنوں چونکہ فرصت تھی بلکہ بیکاری سے دل گھبراتا تھا۔ اس لیے مرزا مسعود کبھی  
دن میں کئی کئی بار فیروزہ کے وہاں چلے جاتے۔ اور بجائے اٹے پاؤں واپس آنے کے  
کبھی دو چار گھڑی کے لیے بیٹھ بھی جاتے۔ جس دن ایسا معلوم ہوتا کہ فیروزہ کے گھر  
عید ہو گئی۔ اور ان کے وقت بے وقت آجانے سے محمد زکی آنا بالکل چھوٹ گیا۔

لیکن نتیجہ امتحان کے انتظار نے ان پر جو ہم درجا کا عالم طاری کر رکھا تھا اُس میں  
کوئی فرق نہیں آیا۔ بلکہ جو زمانہ گزرتا جاتا وحشت دل بڑھتی ہی جاتی۔ اُس عالم میں جو  
ان پر طاری تھا کبھی یاس و خون کے طوفان آتے۔ یا بوسہ کی کالی کھٹائیں اٹھتیں۔  
دھڑکے کی بجلیاں کو نہ مین اور کبھی اُمید کے روشن تارے نکل آتے۔ بلکہ کامیابی  
کا سورج پوری آب و تاب سے طلوع ہو جاتا۔

اب امتحان کو کچھ سات ہفتہ گزر گئے ہیں۔ اور مرزا مسعود کی وحشت اور بڑھ  
گئی ہے۔ ایک ایک سے پوچھتے ہیں کہ "کیا ہو گا؟" بنی بی سے بعض وقت مگر محتاط  
ہیں کہ کتنی غیب کی اور سب باتیں معلوم ہو جاتی ہیں مگر اس کا پتہ نہیں لگتا؟ ان کی

یہ حالت دیکھ کے عفت آرمحن اُن کا دل مہلانے کے واسطے اُنھیں لے کے کہیں  
شہر سے باہر چلی گئی۔ تاکہ دوسرے لوگوں سے ملنے جلنے اور نئی دنیا دیکھنے سے  
اُن کا دل بھلے۔ اور نیز اس خیال سے کہ فیروزہ کے وہاں نشست بڑھنے نہ پائے۔

جس دن یہ میان بی بی شہر سے باہر گئے بہن اُسی دن محمد زکی موقع پاکے بی فیروزہ  
کے گھر میں آدھکے۔ اور یوں دُرانے چلے آئے کہ گویا اُنھیں کا گھر تھا۔ صورت دیکھتے  
ہی فیروزہ ایک سنائے میں آگئی اور پھر آپ کو سنبھال کے بولی "تھیں کسی بات کا  
ڈرنیں۔ اور میری یہ حالت ہے کہ مارے ہو لوں کے آدمی جان نہیں باقی رہی  
ہے۔ اسے ہے! کوئی دیکھ لے گا تو کیا ہو گا؟"

محمد زکی: "اجی دیکھنے والے اب شہر ہی میں نہیں ہیں۔"

فیروزہ: "نہ ہوں؟ اُن کی بی بی تو ہیں؟ جو آج کل مجھ سے زیادہ چلی ہوئی ہیں۔"

محمد زکی: "اجی اپنے میان کے ساتھ وہ بھی دفنان ہوئیں۔"

فیروزہ: "سچ بچ! کیا مرزا جی بی بی کو ساتھ لیتے گئے ہیں؟"

محمد زکی: "وہ بی بی کو ساتھ نہیں لے گئے ہیں بلکہ بی بی اُن کو اپنے ساتھ لے گئی ہیں۔"

فیروزہ: "تھیں میرے سر کی قسم؟"

محمد زکی: "تمہاری جان کی قسم عفت آرا کو کہیں ات میں مہمان جانا تھا دل میں ڈرین کر میرے بعد  
خدا جاسے کیا پیش آئے اور میان کس کے پھندے میں پڑیں اس لیے ساتھ لیتی گئی۔"

فیروزہ: "تھیں یہ کیونکر معلوم ہوا؟"

محمد زکی: "عمود علی کی غیب دانی سے۔ دائرہ وہ بھی ایسی دُور کی کوڑی لاتے ہیں  
کہ بعض وقت عفت آرا کے بھی کان کاٹ لیتے ہیں۔"

فیروزہ: "خوب۔ مجھ سے اُنھوں نے فقط اپنے جانے کا ذکر کیا تھا۔ یہ نہیں بتایا  
کہ بی بی کے ساتھ جاتے ہیں۔ تو اب دس ہندہ دن کے لیے چھٹی ہے۔"

محمد زکی: "بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ دس دن کو کہا ہے تو بیس دن میں آجائیں  
تو جانا جلدی آئے۔"

فیروزہ: "(چپک کے)" تو پھر کیا ہے مزے کرو۔"

محمد زکی: "مزے ہیں اور مزے۔ تو پھر کل تمہاری بھی شہر کے باہر ایک باغ میں  
محمد زکی: "مزے ہیں اور مزے۔ تو پھر کل تمہاری بھی شہر کے باہر ایک باغ میں"

دعوت ہے۔ میں آج ہی سب سامان وہاں بھجوا دوں گا۔ اور کل صبح سویرے پوچھتے ہی ہم تم حامد حسین اور محمود علی گاڑی پر سوار ہو کے چلے چلیں گے۔ دانشو وہاں بڑا مزہ رہے گا۔ فیروزہ شکر گل ہی شام کو چلے آؤ گے؟

محمد زکی: ”دو چار دن تو صل کے رہو۔ خود ہمارا باغ ہے کسی غیر کا آموڑا ہی ہے۔ اور اس میں مکان بھی نہایت بڑا اور وسیع موجود ہے کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی۔ تمہارا دل بہلانے کے لیے میں خود طائفوں کا بھی بندوبست کر دیا ہے۔ جب تک جی چاہے تم خود نہ چننا گانا۔ اور جب نہ جی چاہے تو ان کا مجرخی دیکھنا۔“

فیروزہ: ”لیکن دو ایک روز رہنے میں لوگوں کو خبر نہ ہو جائے گی؟“

محمد زکی: ”خبر کسے ہو جائے گی؟ تمہیں خبر ہی کا مایہ تو کیا ہو گیا ہے؟“

فیروزہ: ”محمود علی سے؟“

محمد زکی: ”محمود علی: ”دور دین کے خبر ہوتی ہے؟ اگر کسی کو کچھ پتہ لگے بھی تو کہہ دینا کہ اپنے عزیزوں کے وہاں گئی تھی۔“

فیروزہ: ”تو بھی میں ایک رات سے زیادہ نہ ٹھہروں گی۔“

محمد زکی: ”اچھا کیا مضائقہ ہے نہ مل لگے تو دوسرے دن چلی آنا۔“

اس تجویز کے مطابق کل کا جلسہ قرا پا گیا۔ اور محمد زکی نے فوراً گھر جا کے تمام باتوں کا بندوبست کر دیا اور کوشش کی کہ جلسہ بہت ہی اچھا اور پر لطافت رہے۔ دو گاڑیاں رات ہی کو ٹھہرا لیں۔ اور صبح تو پ دہشتے ہی ایک گاڑی پر فیروزہ اور محمد زکی اور دوسری پر حامد حسین اور محمود علی سوار ہو کے روانہ ہوئے۔ جس باغ میں جانا تھا وہ

شہر سے کوئی دس میل کے فاصلہ پر تھا۔ آٹھ بجنے سے پہلے ہی گاڑیاں باغ کی چار دیواری کے اندر داخل ہو گئیں۔ دہات کا سناٹا اور سیان کی فضا دیکھتے ہی بی فیروزہ کا دل ایسا بھر بھرا یا کہ چھٹک ہی کے پاس گاڑی رکو ان کے اتر پڑیں۔ اور باغ کے اندر

چاروں طرف گشت لگا کے اور کھلی فضا کی بہار میں لوٹ کے اُس عالی شان مکان میں پہنچیں جو صدر میں واقع تھا۔ یہ دو منزلہ مکان تھا۔ اور سامنے ایک وسیع چوڑا تھا۔

جہاں نوکران نے محبت رقص و سرود کے لیے فرش بچھا رکھا تھا۔ فیروزہ نے کہا پہلے اندر چل کے مکان کی سیر تو کر لیں پھر بیچیں گے۔ برآمدہ کے بعد ایک بڑا ہال تھا۔ اُس کے

اُس طرف دو کمرے تھے اور دونوں جانب پہلوؤں میں تین تین کمرے تھے۔ بیچ کے کمروں میں فرش بچھا ہوا تھا۔ اور ہر ایک میں دو ایک کرسیاں کوئچ اور دنگل آتے۔ اور پہلو کے کمروں میں سونے کے لیے مسہر یاں تھیں مگر وہ اپنے بازو کے تینوں کمرے بند تھے۔ اور سب کمروں کو دیکھ کے جب فیروزہ نے اُدھر توجہ کی تو محمد زکی نے کہا "اُدھر نہ جاؤ اُن میں زنا نہ ہے۔"

فیروزہ "زنا نہ ازنا نہ کیسا؟"

محمد زکی "ہاں میری بہن ایک ہفتہ سے یہاں آئی ہوئی ہیں۔ اوپر کے درجہ اور ان تینوں کمروں پر اُن کا قبضہ ہے۔"

فیروزہ "اے تو اُنھیں میرے آنے کی خبر نہ ہو جائے گی؟"

محمد زکی "اُنھیں پہلے ہی سے خبر ہے۔ اور خبر نہ ہوتی تو میں اُنھیں یہاں کیوں لاتا؟ بلکہ اوپر سے بیٹھ کے وہ نارج بھی دیکھیں گی۔"

فیروزہ "تم تو کہتے تھے کہ تم جو میرے پاس آتے ہو اسکی خبر میں کسی کو نہیں۔"

محمد زکی "ہاں اور کسی کو خبر نہیں۔ مگر گھر بھر میں ہی اکیلی میری ہمدرد ہیں۔ میں اپنی ساری باتیں ان سے کہہ دیا کرتی ہوں۔ جان کہیں آتا جاتا ہوں یا جو کچھ کرتا ہوں ان سے پوچھ کے اور ان کے مشورہ سے کرتا ہوں۔"

فیروزہ "خدا نے تمھیں بہت اچھی بہن دی ہے۔ اگر اس میں وہ مضائقہ نہ سمجھیں۔ تو تجھے اُن سے ملا بھی دینا۔"

محمد زکی "اب اس وقت دن کو تو موقع نہیں ہے مگر رات کو ضرور ملاؤں گا۔ اُنھیں بھی تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔"

مکان کی سیر کر کے بنی فیروزہ ایک کمرے میں آرام کر سی پر لیٹ گئیں۔ اور بولیں "کیا اچھی جگہ ہے؟ میں تو یہاں آ کے بہت خوش ہوئی۔"

محمد زکی "تو آؤ اب ہم سب چل کے ناشتہ کر لیں۔ اور اُس کے بعد نارج شروع ہوئے۔"

فیروزہ "ہاں بھوک تو لگی ہے۔ لیکن ابھی طائفہ کہاں آئے ہیں جو تجری شروع ہوگئی؟"

محمد زکی "دونوں آگئے۔ اُدھر شاگرد پیشہ کے مکانوں میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

فیروزہ "کس کس کو بلایا ہے؟"

فیروزہ ” ایک توجہ بن رہی تھی۔ اور دوسری شہزادی ”

فیروزہ ” تو پھر ناشتہ کی جلدی کر رہی تھی۔

محمد زکی ” تیار ہے۔ ” اور اُن کا حکم پاتے ہی خدمتگارانے پشت کے کمرے میں دسترخوان بچھا دیا۔ جان فیروزہ اُن کے زخما اور محمد زکی نے ساتھ بیٹھ کے نہایت بے تکلفی اور باہمی لطف صحبت کے ساتھ کھانا کھایا۔ چونکہ اس شان وادب و عورت نے فیروزہ کے دل پر محمد زکی کی محبت اور اُن کی دولت مندی کا بڑا گہرا اثر ڈال دیا تھا لہذا دسترخوان پر ناز آفرینی و ناز برداری کے نہایت ہی دلچسپ کرشمہ نظر آتے رہے جن سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بی فیروزہ اب نہیں چاہتیں کہ محمد زکی کا ساتھ کار جو اُن کی زلفوں کے جال میں بھنسا ہے نکلے پائے۔

کھانے کے بعد دیر تک بیٹھ کے چوری دیکھتی رہیں۔ کچھ دیر تک بڑے ناز و انداز سے خود بھی ناچیں۔ اور اُس کے بعد نہایت پیما کی کے ساتھ باغ میں ادھر ادھر ٹھہر دنگا کھیلتی رہیں۔ یہاں تک کہ کوئی ایک بج گیا۔ اب دو مزدوروں کے تھکین تو آئے اُسی پہلی شان سے کھانا کھایا۔ مگر اس وقت کے کھانے میں نزاکت بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ تھکن نے حسن عالم فریب میں ناز و نفی و نزاکت کی ادائیں بڑھا دی تھیں سکھانے کے بعد بی فیروزہ ہال کی پشت پر جود و کمرے تھے اُن میں سے داہنی جانب والے چھوٹے کمرے میں ایک دنگل پر لیٹ گئیں۔ اور اُن کے برابر ہی ایک کمرہ پر محمد زکی آئے بیٹھ گئے۔ اتنے میں خدمتگار نے لاکھ تھکا دیا۔ اس کمرہ کے چاروں طرف دروازوں میں چلین بڑی ہوئی تھیں۔ اور بالکل تنہا تھی محمد زکی نے چند منٹ کی خوشی کے بعد کہا ” اے اب یہ بتاؤ کہ مجھے کب تک ترساؤ گی؟ خدا کی قسم زندگی بے زہ ہو رہی ہے۔ ”

فیروزہ ” اے ہوش کی دوا کرو۔ ”

محمد زکی ” دیکھو فیروزہ ایسا نہ کرو کہ میرا دل ٹوٹ جاوے۔ اتنا بتا دو کہ تم میرے پاس رہنا پسند کرتی ہو یا مرزا صاحب کے پاس؟ بس اسی کے جواب پر میری قسمت کا فیصلہ ہے۔ ”

فیروزہ ” سچ تو یہ ہے کہ تم سے دل کو ایسا لگاؤ ہو گیا ہے کہ جی چاہتا ہے تمہارے ساتھ گھر بار چھوڑ کے چلی آؤں۔ مگر اس کو کیا کروں کہ اب مرزا مسعود کے بس نہیں ہوں۔ ”

محمد زکی ” مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں انہیں سے محبت ہے۔ ”

فیروزہ ” سچ کون؟ سچ تو یہ ہے کہ اب نہیں ہے۔ انہوں نے ایسی بدسلوکیاں کیں اور ایسا

ستایا ہے کہ ان کی طرف سے دل ہٹ گیا۔

محمد زکیؒ تو پھر ان کے پاس کیون رہتی ہو؟ وہ تھیں زبردستی نہیں روک سکتے۔  
فیروزہؒ: میں فقط اتنے لیے وہاں بڑی ہوں کہ مزاجی کی چوٹی اپنے ہاتھ میں کر کے صفتِ ارا  
سے بلبلوں۔ اصل میں مجھے مرزا مسعود سے تعلق نہیں۔ اب تو کچھ سوکار ہو ان کی بیگم صاحبہ سے  
ہے۔ جن سے مجھ سے مقابلہ آن پڑا ہے۔

محمد زکیؒ: تو تم کو اب مرزا مسعود سے نفرت ہے اور مجھ سے محبت؟ مگر مجھے اس کا یقین نہیں آتا۔  
فیروزہؒ: تمھاری جان کی قسم جو لگاؤ دل کو تمھارے ساتھ ہے کسی سے نہیں اور ہمارا  
تمھارا ساتھ بھلا اب چھڑ گئے والا ہے؟

یہ سنتے ہی محمد زکیؒ کرسی سے اٹھ کے ذنگل پر جا بیٹھے اور لپٹ کے بی فیروزہ کا ایک  
بوسہ لے لیا۔

فیروزہؒ: دیکھو مجھے ہاتھ پائی سے نفرت ہے تبھیں میرے سر کی قسم نکلے ٹھو۔

محمد زکیؒ: تو پھر اب ہم سے تم سے محبت ہے مگر ایک بات کا اقرار کرو۔

فیروزہؒ: تم جو بات کہو مجھے منظور ہے۔

محمد زکیؒ: میرے سر پر ہاتھ رکھ کے ہمدرد کہ مرزا مسعود کو کبھی ہاتھ نہ لگانے دو گی۔

فیروزہؒ: اے یہ تو میں پہلے سے دل میں سوچتی تھی ہوں۔ باتوں باتوں ہی انھیں پھانسون  
گی اور جب بالکل میرے صحن میں آجائیں گے تو سگدل اور بے رحم بن کے انھیں  
تو ایسا ترساؤں گی کہ وہ بھی یاد کریں گے۔

محمد زکیؒ: لیکن یہ بڑی خرابی ہے کہ تم ان کے مکان میں ہو میں چھ دنوں کی طرح چلا تو  
آتا ہوں مگر کبھی اطمینان نہیں نصیب ہوتا۔

فیروزہؒ: تمھارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے جس طرح آتے ہو آئے جاؤ۔

محمد زکیؒ: مگر کسے کم ہمتہ میں ایک بار تم میرے گھر میں آ کے مجھ سے مل جائے گا اور  
کہو تو مجھے تمھاری محبت کا یقین آئے۔

فیروزہؒ: تم تو اپنے گھر میں بلانے سے خود ہی بھاگتے تھے؟

محمد زکیؒ: اب تو تمھارے لیے میں ایک اور مکان کرایے پر لوں گا۔ اس میں کسی دبی  
کو رکھ دوں گا۔ اور ہفتہ وار اسی میں تم سے ملاقات ہوا کرے گی۔ یا کبھی کبھی سو قہلے گا



تو یہاں باغ میں چلے آیا کریں گے۔“

فیروزہ : ”اُن یہاں تو مہینہ میں ایک بار ضرور آیا کرو۔ بڑے لطف اور مسیر کی جگہ ہے۔ کیا کون مجبوری ہے ورنہ میں تو کم سے کم ہفتہ بھر یہاں رہتی۔“

محمد زکی : ”تو تھیں پر وہاں ہی کس کی ہے؟“

فیروزہ : ”نہیں ابھی جب تک عفت اگر اسے بدلنے لے لوں مجھے پروا ہے۔ مگر تم تو وعدہ کرتی ہوں کہ میں سوا تمہارے اب کسی کی نہیں ہو سکتی۔ یہ کہہ کے بنی فیروزہ خود ہی اٹھ کے محمد زکی کی گود میں بیٹھ گئیں۔ اتنے میں کچھ آسٹ معلوم ہوئی۔ اور وعدہ محمد زکی کی ہم کناری سے الگ ہوئیں اور اُدھر خدنگار نے چلنے کے باہر سے پکار کے کہا ”حصنور اب چل کے مجری دیکھیں شام ہونے ہی کو ہے۔“

محمد زکی : ”اچھا کو ساز ملائیں میں ابھی آیا۔“

اب دونوں خلوت کے کمرے سے باہر نکلے۔ اور مجری شروع ہوا۔ مگر خدیج ہی منٹ میں بنی فیروزہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور بولیں مجھی اس وقت تو میں باغ کی سیر کر دین گی۔ محمد زکی بھی ”تھیلو“ کہہ کے اٹھے۔ اور دونوں نے تنہا آہستہ آہستہ باغ کی روشن پر ٹہلنا شروع کیا۔ بعد مغرب پھر تھوڑی دیر مجری دیکھ کے کوئی دس بجے محبت رقص و مژدہ موقوف کر دی گئی۔ بنی فیروزہ اور محمد زکی نے ساتھ بیچ کے کھانا کھایا۔ اور اُسی خلوت کے کمرہ میں دونوں بچہ ہاس کے بیٹھے جس میں دن کو محبت کا عہد بہان ہوا تھا۔ اس وقت بھی نئے جوش محبت کا اظہار اور نئے پیمان مودت کی تجدید ہوئی۔ اور بنی فیروزہ نے کہا تم نے دن کو وعدہ کیا تھا کہ اپنی بہن سے ملاؤ گے۔ کیا بھول گئے؟ اور مجھے اس لیے جلدی ہے کہ میں کل چلی جاؤں گی۔ اور وہاں گھر میں اس کا موقع نہ ملے گا اگر ملانا ہے تو ابھی بے چل کے ملا دو۔“

محمد زکی : ”اچھا میں ملاؤں دیتا ہوں۔ تم اُن سے مل کے بہت خوش ہوگی۔ مگر دیکھو اُن کے سامنے ایسی باتیں کرنا کہ تمہیں یقین آجائے کہ تمہیں میرے ساتھ دلی محبت ہے۔ میں ہی اُن سے کتار رہا ہوں۔ اور اسی وجہ سے اُن کو تمہارا دیکھنے کا شوق ہو رہا ہے۔ کہیں تمہاری باتوں سے اُن کو یہ خیال نہ گزرے کہ تم ایک مکار رنڈی ہو۔ اور میں تمہارے ہاتھ میں بے وقوف بن کے پھنس گیا ہوں۔“

فیروزہ "اچھا اچھا میں ایسی ہی باتیں کروں گی۔"  
 محمد زکی "ہاں بس اس کا خیال رہے۔ اُن کے سامنے مجھے کسی بات کا حجاب بھی نہیں ہیں  
 تم سے بے تکلفی کی باتیں کروں گا۔ ہنسوں بولوں گا۔ اور دست دراز می ملک میں تامل نہ کروں گا۔"  
 فیروزہ "اچھا پہلے ملا تو دو۔"  
 محمد زکی "ابھی ملائے دیتا ہوں۔"

## اٹھا ہوا ن باب

افتخار سے راز

بہن سے ملانے کا وعدہ کر کے محمد زکی اُٹھے۔ اور برابر چمپلو کا مکہ تھا اُس کے دروازہ  
 پر سے چلن ہٹا کے دھم دھمایا۔ اور جب چار پانچ بار دستک دے چکے تو کسی نے آ کے  
 دروازہ کھول دیا۔ اور وہ اندر گئے۔ وہاں کسی نے پچھا وہ سو گئے؟ کسی نے جواب دیا "ہاں سو گئے۔" پھر چند لمحوں  
 تک کچھ اور باتیں کرتے رہے۔ فیروزہ کی بھی سمجھ میں نہ آئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئے  
 اور کہا "آؤ چلو۔" فیروزہ جان فوراً اُٹھ کر اُس کمرہ میں گئیں تو دیکھا نہایت صاف ستھرا کمرہ  
 فرش بچھا ہوا ہے۔ سرد مین دو اعلیٰ درجہ کے ایرانی قالین بچھے ہیں۔ اور ایک نہایت ہی  
 حسین و پرہیزگار خاتون سادہ لباس اور مختصر سالفیس و نازک زیور پہنے خاموش بیٹھی ہے۔  
 فیروزہ کی صورت دیکھتے ہی وہ اُٹھ کھڑی ہوئی مگر اُس کے حسن و جمال کو دیکھ کے فیروزہ  
 دم بخود رہ گئی۔ پھر اپنے آپ کو سمجھا کہ سلام کیا۔ خاتون نے سلام کا جواب دے کے  
 کہا "آؤ بس آؤ۔ میں تو تمہاری مشاققتی۔ پھر باہر پکڑ کے اپنے برابر بٹھالیا۔ اور پوچھا  
 کہ "کوہن مزاج تو اچھا ہے؟" اب وہ خاتون تو مزاج پُرسی کر رہی تھی۔ اور فیروزہ جان  
 اُس کے رُخ زیبا اور اُس کے قیامت زاحسن کو دیکھ دیکھ کے دل دل ہی میں کہہ رہی تھیں۔  
 "ایسا انسان ہے یا پری؟ میں نے تو آج تک ایسا حسن نہیں دیکھا تھا۔"  
 محمد زکی (جو بے تکلف برابر بیٹھ گئے تھے) اپنی بہن سے کہنے لگے "یہی بہن جنھوں نے  
 میری زندگی بے مزہ کر رکھی ہے۔ اور جن پر میں جان دیتا ہوں۔ اب تمہیں انصاف کرو۔  
 کہ یہ خوبصورت بہن یا نہیں؟"  
 خاتون "بے شک خوبصورت ہیں۔ (فیروزہ سے) "اے سب تو تم باتیں کیوں نہیں؟"

اُدنی! کیا مجھ سے شرماتی ہو؟“

فیروزہ: ”نہیں! مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ تم بھائی بہن میں کیسی سچی محبت اور بے تکلفی ہے۔“

خاتون: ”ان میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ ان کا دل کسی بات میں نہ گڑھے۔ ان کا جو شوق ہوتا ہے جہاں تک بس چلتا ہے پورا کرتی ہوں۔ میں بہن میں ان کی خوشی کی خواہش ہوں۔ ان سے سنا کہ انھیں تم سے محبت ہے مجھے تمھارے دیکھنے کا اشتیاق ہو گیا۔ اب اس میں کوئی چاہے برا کئے یا بھلا مجھے تو ان کی خوشی سے مطلب ہے۔“

فیروزہ: ”محبت والی بہنیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔“

خاتون: ”ان کو تم سے بڑی محبت ہے جس پر گھر ہی رات دن تمھاری ہی رٹ لگی رہتی ہے۔ بھلا تمھارے دل میں بھی ان کی کچھ محبت ہے؟“

فیروزہ: ”کیونکہ میں؟ یہ جب تک نہیں آتے میرا دل لگا رہتا ہے۔“

خاتون: ”اے میں نے تو سنا کہ کوئی مرزا صاحب بہن تم ان کی صورت کی عاشق ہو؟“

فیروزہ: ”اب میں آپ سے کیا عرض کروں۔ ہم لوگوں کو دکھانے کے لیے ایسی بہت سی باتیں کرنا پڑتی ہیں۔ مجھے ان سے محبت و حُبِ خاک نہیں۔ مگر اپنے کیے کو سناہ رہی ہوں۔“

خاتون: ”اے تو کیا ان سے نکاح ہو گیا ہے؟“

فیروزہ: ”نکاح تو نہیں ہوا مگر ان کے جال میں پھنس گئی ہوں۔“

خاتون: ”جب نکاح نہیں ہے تو پھر ان پر تمھارا کیا زور ہے؟ جب چاہو چھوڑ کے چلی آؤ۔“

فیروزہ: ”اصل میں مجھ سے اور ان کی بی بی سے مقابلہ ہے جن کا نام عفت آرا بیگم ہے۔ مرزا صاحب میرے پھندے میں آگئے تھے، مگر عفت آرا نے مجھ سے چھین لے اپنے قابو میں کر لیا۔ اب میں چاہتی ہوں کہ ان کو بچائیں کے عفت آرا سے بدلہ لوں۔ بس اتنی ہی بات ہے جس کے باعث میں ان سے بگاڑنا نہیں چاہتی۔“

خاتون: ”(ہنس کے) اُدنی! اُس نے جو اپنے میاں کو تمھارے پھندے سے نکال لیا تو تم اُس کی دشمن ہو گئیں؟“

فیروزہ "جی ہاں۔ دشمن کسی میں تو اُس کے خون کی پیاسی ہوں۔"  
 خاتون "سزا سزا تم سے تو نہ ناجا ہیے۔ اب محمد زکی کی دُھن اُٹے لگی تو تم اُس کی  
 بھی دشمن ہو جاؤ گی۔"

فیروزہ "آپ کے بھائی کی اور بات ہے۔ اُن کے ساتھ مجھے دلی محبت ہے۔ ایسی محبت  
 کہ اُن کے جو عزیز ہوں وہ بھی مجھے پیارے ہیں۔ یہی دیکھ لیجیے۔ ساتھ آپ کو ان سے محبت ہے  
 آپ سے ملنے کو حاضر ہو گئی۔ اور آپ کی لونڈی ہوں۔ ان سے مرزا جی کو کیا نسبت ہے  
 ان کی تو میں صورت کی عاشق ہوں۔ یہ جملہ فیروزہ کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ محمد زکی  
 بے تابی کے ساتھ بڑھ کے فیروزہ سے لیٹ گئے اور اُس خاتون سے کہا "میں  
 میں تم سے کتنا تھا کہ وہ میری عاشق ہیں؟"

فیروزہ۔ (محمد زکی کو الگ ڈسکیل کے) "اے ہٹو بھی مجھے یہ بے تیزی کی باتیں نہیں  
 اچھی معلوم ہوتیں۔ آدمیت سے باہر نہ ہو۔"

خاتون (دشمن کے) جیسی تم ان کی عاشق ہو ویسے ہی یہ بھی تمہارے عاشق ہیں۔  
 اچھا تو پھر اب تم کوئی ایسی صورت پیدا کر دو کہ یہ مرزا صاحب والا جھگڑا دور ہو۔"  
 فیروزہ "میں خود اسی فکر میں ہوں۔"

خاتون "ہاں اس میں تمہارے لیے بھی اندیشہ ہے اور ان کے لیے بھی۔ اور مجھے  
 سب سے زیادہ دھڑکا اس بات کا لگا رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کسی دن تمہارے  
 وہاں ایسا اُن کا سامنا ہو جائے تم تو اپنے اچھی رہو گی مگر میرے بھائی کو خدا بخواتین  
 کوئی اُصدمہ پہنچ گیا تو میری زندگی بے مرزہ ہو جائے گی۔"

اتنے میں پاس کے کمرے سے کسی کے خواب میں بڑانے کی آواز آئی یہ آواز  
 بھیا نک سی معلوم ہوئی جس پر فیروزہ نے کان کھڑے کیے۔ اور اُس خاتون نے  
 کمال بنے پروائی سے کہا "اس کا نہ خیال کرو۔ میرے ایک عزیز ہیں اور ان کا معمول  
 ہے کہ ادھر آکھ لگی اور بڑا نام شروع کیا مگر میں تم سے کہتی ہوں کہ اگر تم خود مرزا صاحب سے  
 تعلق ترک نہ کر سکتی ہو تو میں اس کی کوشش کروں گا۔"

فیروزہ۔ (تعجب سے) "اے آپ اس کی کیا فکر کیجیے گا؟"  
 خاتون "کوئی تدبیر تو نکالوں گی۔ اتنے میں نہ زیادہ زور سے بڑانے کی آواز اُٹھنا شروع

ہوئی۔ سو فیروزہ نے گہرا کے کہا ”ہے ہے! میرا تو اس آواز سے قلب اُٹا جاتا ہے؟“  
**خاتون**۔ ”اوئی! تم گجراتی ہو! اور مجھے تو سنتے سنتے اس آواز سے ایک اُٹس ہو گیا ہے۔“  
 فیروزہ۔ ”مگر میں نے تو کبھی ایسا بڑا نہیں دیکھا۔“

**خاتون**۔ (دور سے ہنس کے) ”اوئی! کیا تمہیں اس میں شک ہے؟ لوجل کے تم خود دیکھ لو۔“ یہ کہہ کے وہ خاتون فیروزہ کو اٹھا کے ایک دوسرے کمرے میں لے گئی جس میں ایک مسہری پر کوئی شخص لیٹا ہوا عجیب بھیانک آواز سے خواب میں باتیں کر رہا تھا۔ یہاں اول تو روشنی بہت دھیمی تھی۔ اور پھر مسہری کے اندر ہونے کے باعث سونے والے کی صورت صاف نہیں نظر آتی تھی۔ مگر آواز بخوبی سنی جاتی تھی۔ ابتداً تو اس کی باتیں فیروزہ کی سمجھ میں نہیں آئیں۔ پھر جب ذرا گھر کے اور غور سے سنا تو وہ شخص کہہ رہا تھا ”اچھا ہوا! اچھا ہوا! کم بخت کا حال کُل گیا۔ اس کی دغا بازی بدکاری۔ بے وفائی۔ اور بد عہدی سب باتیں معلوم ہو گئیں۔ او نہ پاک نہ لالائی۔ دغا باز۔ قحطامہ تیرا سب حال کُل گیا۔ تیری دغا بازی کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ جا کجبت۔ نکل۔ دور ہو! دور ہو! (بڑی زور سے چلا کے) دور ہو! میرے یہاں سے نکل! نکالو! نکالو! —

**فیروزہ**۔ (دھیمی ہوئی آواز میں چپکے سے) ”اے یہ کہہ رہے ہیں؟“  
**آواز**۔ (نہایت زور سے) ”نکالو! مردار فیروزہ کو نکالو! —“

یہ سنتے ہی فیروزہ نے گہرا کے پوچھا ”اے ہے! خدا کے لیے تباؤ کہ یہ کون صاحب ہیں؟ میرا تو دماغ جکڑ کھا رہا ہے! اتن بدن میں سنسنی پڑ گئی۔ ارے مجھے سنبھالو!“  
**خاتون**۔ (تسلی دینے کے لیے) ”ذرا سنبھلی رہو۔ کوئی اندیشہ کی بات نہیں۔ محبت سے کام لو۔“ (چلا کے) ”اے بس سوچ کے۔ (ہاتھ مسہری میں ڈال کے اور شانہ ہلا کے) ”لے اب اٹھو گے یا نہیں؟“

سونے والے نے چونک کے انگڑائی لی۔ دونوں میٹھوں سے آنکھیں ملین اور اُٹھ کر کے مسہری سے باہر نکلا تو صورت دیکھتے ہی فیروزہ کے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکلی۔ آواز نکلی۔ اور اُسی جگہ غش کھا کے ترٹے گر پڑی۔ خاتون نے خادماؤں کو آواز دی ”جنہوں نے اُسے اٹھا کے اُسی کمرے میں ڈال دیا جس میں ابھی بیٹھی خاتون سے باتیں کر رہی تھی۔ مگر اب محمد زکی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ خاتون نے منہ پر پانی چھڑک کے

اور تلخہ سنگھ کے فیروزہ کے ہوش و حواس درست کیے۔ اور جب اُس کی حالت بخوبی سنبھل لی۔ تو مسکرا کے کہا "تم مرزا صاحب سے ترک ملاقات کرنا چاہتی ہی تھیں ہیں؟" کہا کہ تمھاری یہ آرزو پوری کر دوں۔" یہ کلمات سنتے ہی اُس کی نظر اس سونے والے شخص پر پڑی جو قریب ہی بیٹھا ہوا اسے غیظ و غضب کے تیروں سے دیکھ رہا تھا بے اختیار پھر چلائی "سہ سہ ہا مرزا مسعود" اور آنکھیں بند کر لیں۔

مرزا مسعود۔ (غصہ کے ساتھ اُسے جھنجھوڑ کے) "مردار تیرا حال کھل گیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا! اپنے کانوں سے وہ تمام باتیں سنیں جو دن کو تو میرے عزیز بھائی محمد زکی سے کر رہی تھی! یہ شرط کرنا کہ اور جوئی کاٹ کے تجھے یہاں سے نکال دوں!" یہ کلمات سنتے ہی فیروزہ یا تو آنکھیں بند کیے پڑی تھی یا اُٹھ کے مرزا مسعود کے قدموں پر گر پڑی اور کہا "میرا قصور معاف کر دے! میں بے شک تمھاری گمشکار رہی ہوں" مرزا مسعود "اس اقرار سے کیا ہوتا ہے! جب آنکھوں سے تیری دغا بازی دیکھ لی تو پھر تیرا اقرار ہی کیا؟ درِ قوت بند ہو چکا!"

فیروزہ "مجھے مار ڈالو مگر بے عزت نہ کرو!"  
مرزا مسعود "کبخت قظامہ! تو کیا اور تیری عزت کیا!"  
خاتون "بس اب جانے دو۔ جھوٹے کو اُس کے گھر تک پہنچا دیا۔ اور اس کے بعد اُس کی مظلومی پر ترس کھانا چاہیے۔"

مرزا مسعود "یہ کبخت مظلوم ہے یا میں؟ جس نے اُس کے فریب میں آگے خدا جانے کسی کیسی پریشانیان اُٹھائی ہیں۔ میں اپنا بدلہ لیے بغیر نہ رہوں گا۔"

خاتون "نہیں۔ بس اب جانے دو۔ اپنے کیے کو پہنچ گئی۔"

مرزا مسعود "ابھی کہاں؟ اب پہنچے گی!"

فیروزہ "خاتون کے قدموں پر گر کے" "بی بی خدا کے لیے میری جان بچاؤ۔"

خاتون "ہاں میں بیاؤں گی۔ مجھے کسی کو کو اُٹھانی بنانے کا تو شوق نہیں ہے۔"

فیروزہ "چونکہ تمہارے" "تو اب خدا کے لیے بی بی یہ بھی بتا دیجیے کہ آپ کون ہیں؟"

خاتون "میں وہی عفت تھانوی جس سے تمہیں بدلہ لینا ہے۔"

اس جواب پر فیروزہ کچھ دیر تک تو دم بخود رہی۔ پھر گہرا کے بولی "بی بی میں

ہا رہی اور تم جتین! اب خدا کے لیے میری جان عذاب سے چھوڑا دو اور مددہ کرتی ہوں  
کہ پھر کبھی تمہارے راستہ میں نہ آؤں گی۔“

مرز مسعود (بی بی سے) تم اس معاملہ میں دخل نہ دینا۔ میں بے ناگ چوٹی کاٹے نہ رہوں گا۔  
عفت آرا اب تم کو فتح حاصل ہوئی ہے۔ اور بہادر آدمی کی شان یہی ہے کہ خجیاب  
ہو کے نرم پڑ جاتا ہے۔“

مرز مسعود: جی ایسی بہادر ہی آپ کو مبارک رہے میں اس بہادر سے باز آیا۔ میں تو اپنا  
بدلوں گا۔ اور اس حرام زادہ (فیروزہ کو زور سے ایک گھونٹہ مار کے) سے پوری طرح  
سمجھ لوں گا تو مجھے صبر آئے گا۔“

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ محمدی ماما اچھی کماری کو مارتی ڈھکیلی اور گایان دیتی ہوئی  
لائی اور جلا جلا کے کسنے لگی۔ حضور نے اس حرا نہ کا پا جی پن بھی دیکھا ہے۔  
عفت آرا: کیوں؟ کیا ہوا ہے۔“

محمدی: حضور یہ اور ابھی باور چوہن کی طرف چلی۔ جیسے ہی باہر نکلی کسی نے زور سے کہا  
”این اچھی تم کمان ہے“ میں نے دل میں کہا یہاں جنگل میں اسے کون ملاقاتی مل گیا چلے  
آڑ میں جا کے کھڑی ہو گئی تو اس کی ساری حرز دگیان گھل گئیں۔ کیا کبھی ہوں کہ یہ ایک  
مرد سے سے گھل گھل کے باتیں کر رہی ہے۔ اُس نے کہا تم کمان ہے؟ یہ بولی تم کمان ہے؟  
پھر اُس نے کھانگیم کے ساتھ یہاں سیر کر آئی ہوں؟ وہ گھبرا کے بولا بگم صاحب  
یہاں کمان ہے؟ یہ بولی ”ہیں تو وہ آئی ہوئی ہیں“ اُس نے کہا مجھے تم نے پہلے نہ بتایا  
اُس نے کہا اے مجھ خبر تھی؟ وہ بولا یہ تو بڑا غضب ہوا تم نے پتہ لگا کے مجھے پہلے خبر  
کر دی ہوئی۔ اُس نے کہا ہمیشہ دراز اسی باتوں کی تو میں تم کو خبر کرتی رہی اب ایک  
بات نہیں معلوم ہوئی تو اس کو کیا کروں؟ اُس نے پوچھا اور کیا تھا اُسے حضور بھی  
ہیں ہیں؟ یہ بولی ”ہاں وہ بھی ہیں ہیں“ اُس کے بعد ان دونوں میں کچھ جھڑپا  
کی باتیں ہوئیں۔ اور یہ اُسے ساتھ لے کے پھر اُسے کے برادر سے میں چلی گئی۔ جہاں سنا تھا  
میں جھڑپا جاکے پہرے کے سپاہیوں کو بلا لائی اور کہا کہ دونوں کو جا کے پکڑاؤ۔ وہ  
پکڑ لائے۔ حضور نے اس کی ٹانگ حرامی دیکھی۔“

عفت آرا: پیٹر میں سے سب سے اچھا سمجھتی تھی مگر کئی سینہ سے اس پر شبہ ہو چلا تھا۔

کہو کہ اکثر دیکھتی کہ میری باتیں سننے کے لیے کہہ کے اس پاس لگی رہتی ہو (اچھی سے) کیوں اچھی! تو اور ایسی نکھر امی!

اچھی - "عفت آرا کے پاؤں پر گر کے" حضور حضور ہوا پھر ایسی خطا نہ ہوگی۔  
عفت آرا - کچھ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مرد کوں ہے؟

اچھی - (درو کے) "وہ ہمارے حضور کے دوست محمود علی ہیں" اچھی کی زبان سے یہ نام سننے ہی فیروزہ خود بخود بگڑا کے حج اٹھی "ارے محمود علی!"

مرزا مسعود - وہی محمود علی جو تمہارے بیان آتے جاتے ہیں؟ تو ان کی غیب دانی کا ذریعہ یہی تھی؟ اور یہی قہر ان کی موس ہے؟ اچھی سے "اچھا سچ سچ بتا کہ خبر سے ان سے کیوں ملاقات ہوئی؟"

اچھی - "میں حضور انھیں جانتی بھی نہ تھی۔ مجھے تو مدار بخش نے چھنایا!"  
عفت آرا - "ابن یہ موادار بخش! میں سمجھتی تھی کہ دیہاتی اور سید صاحبان آدمی ہے! آخر اس نے مجھے کیوں چھنایا؟"

اچھی - "حضور کیا کہوں کہ مجھے کیسا ابل دیا ہے۔ پہلے کئی دفعہ ان کا ذکر کیا۔ مگر میں نے خیال بھی نہ کیا تب مجھے تین روپہ دیے اور ایک دن خوشامد کرنے لگا کہ ایک

گھڑی بھر کو میرے ساتھ چلی چلو گی تو میرے بیٹے کی نوکری لگ جائے گی۔ میں اس موس کے قریب کو کیا جانوں چلی گئی۔ مجھے ایک اکیلے مکان میں لے جا کے بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر

دہان بیٹھی ہوں گی کہ محمود علی آگے نازل ہوئے۔ اور اپنی محبت جتا کے خوشامد کرنے لگے کہ مجھ سے نکاح پڑھوا لو میں نے بیک صاحب کسی طرح نہ مانا۔ تو انھوں نے مجھے دھمکانا اور

ڈرانا شروع کیا کہ اگر تم نے نہ مانا تو تمہاری ناک کاٹ لوں گا۔ میں نے ہرا اچھا چھڑکنا چاہا

نہ چھوڑا آخر بیک صاحب کیا کرتی راضی ہو گئی۔  
مرزا مسعود - تو پھر ان سے نکاح ہو گیا ہے؟

اچھی - "نکاح کیا ہوا ابھی تک چلے حوالہ کر رہے ہیں۔"  
عفت آرا - تو تو نکاح کرتی یا چھڑا لے مجھے اس سے مطلب نہ تھا مگر تجھے یہ کیا پڑی تھی کہ یہاں کی

روز روز کی باتیں جا کے اسے لگا آیا کرتی تھی؟  
اچھی - "حضور ہوا بیک صاحب۔ وہ جب ملتے ہیں کی باتیں پوچھا کرتے اور مجھ بتا پڑتے تھے"

محمد علی - "تو حضور اب اس موسے محمود علی کے لیے کیا حکم ہے جو باہر پکڑا کھڑا ہے؟"



**عفت آرا** اُس بوڑھی کاٹے کو تھانے میں بیچ دو خدا کی قسم میں اُس سے سب جلی ہوئی۔  
 یہ باتیں بوجہ رہی تھیں کسی نے باہر پکارا۔ محمدی سُن کے دوڑی گئی اور واپس آ کے ایک خط  
 مرزا مسعود کے ہاتھ میں دیا اور کہا "مسعود گھر سے ایک آدمی انکے پر سوہا آیا ہے اور بڑی خوشنویس کا خط لایا ہے  
 مرزا مسعود کیون خیریت تو ہے؟" خط کا نفاذ کھولا تو اُس میں سے ایک تازہ نکلا جسے پڑھتے  
 ہی مرزا مسعود مارے خوشی کے پھل پڑے اور عفت آرا سے کہا "تو میں وکالت کے امتحان میں  
 پاس ہو گیا۔ اور اوّل درجہ میں پاس ہوا۔"

**عفت آرا** شکر اِذا لے میری سُن لی۔ اور میری بڑی بھاری تمنا بر آئی۔  
 مرزا مسعود۔ (فیروزہ کی طرٹ اشارہ کر کے) "اِس قحبہ کے جال میں ایسا پھنسا تھا کہ میں  
 تو قیامت تک پاس نہ ہوتا مگر سبب یہ سبب تمھاری برکتیں اور تمھاری خوبیاں ہیں۔ تمھیں  
 نے مجھے قانون کی کتابوں کی طرٹ متوجہ کیا۔ ورنہ میں تو جانتا تھا کہ قانون مجھے عمر بھر  
 نہ آئے گا۔"

**عفت آرا**۔ (خوش ہو کے) "اب تو تم کو یقین آیا کہ تم کو قانون سے پوری مناسبت  
 تھی۔ اور تم جو اُس سے بھاگتے تھے اِس کی وجہ یہ تھی کہ تم کو اُس سے اُنس نہ تھا۔"  
 مرزا مسعود "بے شک میں قائل ہو گیا۔ لیکن مولوی محمد رسول اللہ صاحب کا آنا  
 بھی میرے حق میں نہایت ہی مفید ہوا وہ نہ آتے تو میں ہرگز پاس نہ ہوتا۔"  
**عفت آرا** اور یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ اُن کو میں ہی نے بلوایا تھا۔ اور فقط اِس ضرورت  
 سے کہ تمھارے قانون سیکھنے کا کوئی اچھا انتظام ہو جائے۔"

مرزا مسعود "تو وہ تمھارے بلائے ہوئے تھے؟ بدامند بڑا احسان کیا۔  
 اُس وقت تو مجھے ناگوار سا ہوا تھا مگر اب جو خیال کرتا ہوں تو اُن کا اُن ہی میری  
 کامیابی کا سبب ہوا۔ لیکن خدا کے لیے یہ تو بناؤ کہ آخر تم نے یہ کیا جادو کر دیا کہ  
 فیروزہ اپنے حوالی موالی کے ساتھ بیان آ کے یوں پھنس گئی جیسے کوئی چڑیا جال  
 میں پھنس کے رہ جاتی ہے۔ اور یہ محمد زکی اُس کے بیان کیونکر سہو بچے؟ آخر یہ  
 ماجرا کیا تھا؟"

**عفت آرا** "جب میں نے دیکھا کہ تمھارے دل پر فیروزہ کا اتنا اثر پڑا جو اُس  
 کہ اُس کے خلاف کوئی بات چاہے کسی ہی سچی ہو تمھارے دل پر جتنی ہی نہیں اور

اس کے ساتھ یہ آفت کہ فیروزہ اور اس کے رفقاء میری دشمنی پر آمادہ ہیں اور میری دشمنی میں تمھارے تباہ کرنے کے بھی درپے ہیں تو میں تولی میں کیا کہ اب میر کوئی کارستانی کیے کام نہ چلے گا۔ کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ یہ سب جو کچھ سازشیں کیا کریں ان کی مجھے خبر ہو جایا کرے۔ اسی فکر میں ایک دن تمھاری بھوپھی جان کو یاد گئی تھی۔ وہاں محمد زکی ملے اور میں نے انھیں باتوں باتوں میں منو لا تو خیال گزرا کہ ان سے کام نکل جائے گا۔ آخر انھیں اس کام پر لگایا کہ فیروزہ سے راہ و رسم بڑھائیں اور وہاں کے روز روز کے حالات مجھے پہنچاتے رہا کریں۔ میری محمدی روز جاکے ان سے ملتی تھی اور فیروزہ اور اس کے دوستوں میں جو جو منصوبے ہوتے میرے پاس پہنچ جایا کرتے۔

محمد زکی نے چند روز میں موقع پاکے فیروزہ کو ایسا شیشہ میں اتارا کہ یہ مرزا صاحب کے عوض اب ان کا دم بھرنے لگی۔ مگر ان کی یہ بڑی لیاقت تھی کہ باوجود ایسے ملنے جلنے اور خلا ملا بڑھانے کے اس کے پھندے میں نہیں پھنسے۔ خالی زبانی باتیں بناتے رہے۔ جب تم الہ آباد میں امتحان دینے گئے ہو اس وقت ان سے اس سے زیادہ محبت بڑھی۔ اور اسی وقت سے یہ تمھارے ساتھ بے وفائی کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ اب میں نے ارادہ کیا کہ تمہیں اس کی اصلی حالت دکھا دوں۔ تمہیں تبدیل آب و ہوا کے بہانے بیان لے کے آئی۔ اور ظاہر یہ کیا کہ کمین ڈور جاتی ہوں۔ تمھارے کئے سے فیروزہ کو اطمینان ہوا تو محمد زکی نے اسے ایک جلسہ دیا۔ اور دھوکے دھوکے میں بیان لے آئے۔ اور جیسی یہ وفادار تھی ویسا ہی تم کو دکھا دیا۔

مرزا مسعود و دوست کمال کیا! حیران ہوں کہ بھائی محمد زکی کا احسان مند ہوں یا ان کی نسبت بدگمانی کروں؟

عفت آرا۔ (زور سے ہنس کے) بدگمانی! اسے اگر انھیں اس مردار سے ذرا بھی لگاؤ ہوتا تو تمھارے دکھانے کے لیے یہاں لاتے؟

مرزا مسعود: شاید انھوں نے مجھے یہ دکھانا چاہا ہو کہ جو عورت مجھ سے وابستہ ہے وہ ان پر جان دیتی ہے۔

عفت آرا: اسے تو ہر کوئی کیا تمھارے بیان نیکی کا بدلہ ہی ہے؟ اور میں جو

کہہ رہی ہوں کہ وہ میرے بچے ہوئے گئے تھے اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔  
 مرزا مسعود: تو کم کو فیروزہ کے بیان کی سب باتیں انہیں سے معلوم ہوا کرتی تھیں؟  
 مگر یہ تو میں نہ مانوں گا۔ تم نے بہت سی ایسی باتیں بتائی ہیں جن کو میرے سوا کوئی جانتا ہی  
 نہ تھا۔ اب شاید تم ماننا چاہتی ہو۔ مگر میں تم سے یہ غیب دانی کا عمل سیکھے بغیر نہ رہوں گا۔  
 تم دیکھو وعدہ کر چکی ہو۔

عفت آرا: ہاں ہاں میں وہ عمل بتاؤں گی۔

مرزا مسعود: تو پھر بتاؤ گی؟ اب تو میں امتحان میں بھی پاس ہو گیا۔

عفت آرا: ابھی بتا دوں گی۔

مرزا مسعود: مگر اکیلے میں بتانا ایسا نہ ہو کہ کوئی اور جان جائے۔

عفت آرا: کوئی جان بھی جائے گا تو کیا کرے گا؟

مرزا مسعود: نہیں۔ ابھی دراز ٹھہرو۔ (فیروزہ سے) لے بی صاحب اب تم شریف لے جاؤ۔

(محمدی سے) انہیں لے جا کے باہر بٹھاؤ۔ میں تھوڑی سی دیر میں آئے ان سب کا فیصلہ کروں گا۔

عفت آرا: اے ٹھہرو تو سہی تھیں یاد ہے کہ میں نے کہا تھا میرا ایک موکل ہے۔

وہی مجھے روز روز کی خبریں لادیا کرتا ہے؟

مرزا مسعود: ہاں تم نے کہا تھا۔

عفت آرا: اور یہ بھی کہا تھا کہ اس موکل سے مجھے بڑی محبت ہے؟

مرزا مسعود: ہاں کہا تھا۔ تمھارا یہ فقرہ ہمیشہ ایک کانٹے کی طرح میرے دل میں کھٹکتا

رہا ہے۔ مگر کیا زور تھا؟

عفت آرا: (مسکرا کے) تو بس سمجھ لو کہ وہی میرا موکل ہے جس سے مجھے حد سے زیادہ محبت

ہے۔ اور جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے۔

مرزا مسعود: یعنی؟

عفت آرا: اے تو کیا تم نہیں جانتے؟

مرزا مسعود: بخدا میں نہیں جانتا۔ تم ہی بتاؤ گی تو معلوم ہو گا۔

عفت آرا: (مرزا مسعود کا ہاتھ پکڑ کے) وہ یہ ہے کیا اس سے بھی بڑھ کے مجھے کوئی عزیز ہو سکتا ہے؟

مرزا مسعود: میں! میں خدا نخواستہ کوئی جن تو ہوں نہیں۔

عفت آرا۔ اب جن تجھو یا آدمی وہ موکل تم ہی ہو۔“

مرزا مسعود۔ (حیرت زدگی سے) ”آخر میں کیونکر ہوں؟“

عفت آرا۔ ”تھکا راقاعدہ ہے کہ رات کو ادھر آنکھ لگی اور ادھر تم نے بڑا ناشروع کیا۔ اور اُسی بڑے میں تم اپنی دن بھر کی داستان اور اپنی ساری دل کی باتیں بیان کر دیا کرتے ہو۔ پہلے میں جب میں نے سنا تو تمھاری وہ بھیانک آواز سن کے میں دل میں ڈری مگر دو چار روز میں دت پڑ گئی اور اب جو غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس طریقہ سے مجھے تمھاری روز روز کی باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ گریں گی یونین مجھے فیروزہ اور اس کے دوستوں کے حالات اور تمھارا اُس پر فریفتہ ہونا معلوم ہوا۔ اور اسی کی وجہ سے میری وہ ساری غیب دانی تھی۔“

مرزا مسعود۔ (حیرت سے) ”مگر میں نے کبھی اور کسی سے نہیں سنا کہ خواب میں روز بڑا کیا کرتا ہو۔“

عفت آرا۔ ”اور لوگوں نے نہ خیال کیا ہو گا۔ مگر جب سے میں آئی امین نے اُس کا پورا خیال رکھا تم رات کو کسی اور جگہ نہ سوؤ۔ بیان تک کہ تم الہ آباد گئے تو میں نے تاکید کر دی کہ اسلئے کوہین سونا اور کسی دوست کے ساتھ نہ رہنا۔“

مرزا مسعود۔ ”ہاں یاد ہے۔ تم نے کہا تھا؟“

عفت آرا۔ ”تو وہ اسی لیے کہا تھا کہ تمھارا یہ راز کسی اور پر نہ کھلنے پائے۔“

مرزا مسعود۔ (نسایت ہی تحیر) ”تو میری اس بیہودگی سے تم نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ مگر کبھی مجھے یقین نہیں آتا کہ میں ایسا بے وقوف ہوں کہ آنکھ لگی اور اپنا حال سنائے لگا۔“

عفت آرا۔ ”اے ابھی دو گھڑی پہلے تم سنا رہے تھے۔ اور فیروزہ کو قہنی گالیان سوتے ہیں دے چکے ہو شاید جاگتے ہیں زندگی بھر نہ دو گے۔ خود فیروزہ سن چکی ہے۔“

فیروزہ۔ ”ہاں بیگم صاحب سن ہی نہیں چکی بلکہ آنکھوں سے دیکھ چکی۔ دیکھ لیا کہ جیسے عجب و غریب یہ میدان ہیں۔ ویسی ہی عجیب و غریب آپ بیوی ہیں۔ میرے نصیب میں تو جو کچھ لکھا تھا ہر طرح پورا ہوتا مگر کچھ دل سے کہتی ہوں کہ خدا ہر شریف آدمی کو ایسی ہی بیوی دے چھٹی آپ ہیں۔ ایسی بی بی کوئی چراغ لے کے ڈھونڈے تو نہ پائے گا۔“

مرزا صاحب ان کی قدر کیجیے۔ اور غص ہے تو پاؤں دھو دھو کے پیجیے۔ یہ بی بی نہیں فرشتہ ہیں۔ اور انھیں کی وفاداری اور پاکدامنی کا صدقہ اب میرا تصور معاف کر دیجیے (یہ کہہ کے فیروزہ پھر مرزا مسعود کے قدموں پر گر پڑی)۔

**عفت آرا**۔ ہاں اب خدا نے تھیں امتحان میں پاس اور ہر طرح بامراد و کامیاب کیا ہے تو ان سب لوگوں کا قصور معاف کر دے۔

مرزا مسعود نے معاف تو نہ کرتا مگر تمھارے کہنے سے معاف کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ان سب ایک ہی قسم کا قلعہ نہ باقی رہا جیسا ہے (فیروزہ سے) بی فیروزہ! تم نے میرے بعد رہا، دیکھنا کہ کیا آئے اور اس سے زیادہ تمھارے ہاتھوں مجھے روحانی صدمہ پہنچا ہے۔ اس وقت میں محض اور سب کو بھی عفت سے سخت مرزا سے ملتا ہوں مگر اسی نیک خاتون کے طفیل میں اور اسی کی ساری سے جس کی تم دشمن اور خون کی باہمی ہو تمھارا قصور معاف کرتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ کبھی تمھاری صورت نہ دیکھوں اور میرے معاملات میں خفا را نہ کرتے آئے مگر آج ہی جا کے وہ مکان جس میں میں نے محض رکھا ہے خالی کر دو۔ اور اس میں جو کچھ اسباب ہے اسے بھی تم ہی لے جاؤ (اچھی سے) اور مردار تو بھی میرے گھر سے نکل۔ کل ہی گھر پر پرخ کے اپنا اسباب لے اور بھان تیرا چچا ہے جا۔ چاہے تمھاری سے منہ کالا کرے یا کسی اور سے۔ اور بان محمود علی سے کہہ دے کہ اس کو بھی میں نے ترس کھا چھوڑ دیا۔ بس اسی وقت فیروزہ حاضر حسین اور سب ساتھ والوں کو لے کے وہ اس بارغ سے چلا جائے۔

”پھر کبھی اپنی ناپاک اور جس صورت نہ دکھائے۔ اگر صبح تک رہا تو خیریت نہیں۔“

**عفت آرا**۔ اور موصے مدار بخش کو بھی کل ہی پھر سے پھر دے نکالو۔

مرزا مسعود۔ وہ نابکار بھی نکال دے گا۔

**فیروزہ**۔ (عاجزی سے) ”مگر جانے سے پہلے میں محمدرضا کی صورت ایک دفعہ اور دیکھ لیتی۔“

**عفت آرا**۔ (انہیں کہے) تم تو جانتی ہو کہ مرزا مسعود کی طرف اشارہ کر کے ان کے سامنے دم تم سے نہیں مل سکتے، کاوریاد رکھو کہ اب تم ان کی صورت بھی نہ دیکھو گی جس کام کے لیے وہ تمھاری پاس حاضری دے رہا ہو اس کے بعد فیروزہ رات ہی کو اپنے دونوں دوستوں اور ملازمین کے ساتھ خاموش و نامد اور انہی محبت کو رہتی ہوئی بارغ سے واپس واپس ہوئی۔ اور صبح ہی وہ مکان خالی کر کے چوک کے ایک کمرے میں آگئی۔

مرزا محمود محمدرضا کی اور عفت آرا کے سامنے دوسرے دن صبح کو مرزا صاحب کی کامیابی و کامرانی کے جشن کے طریقہ سے دونوں طاغوتوں کا دلہنہ چڑھی ہوا جس کے بعد غریب شیشی نوشی اپنے پھر آئے اور عشرت کی زندگی بسر کرنے لگے چند ہی سال میں نظر آگیا کہ مرزا مسعود شہر کے غالی مرتبہ و کامیاب ترین وکیل بن گئے جو قوم کے اتفاق آرائی و اسلمی کی کونسل کی مجلس کے آئین میں مرزا مسعود ہو گئے اور عفت آرا کے بچوں نے پروان چڑھا کے ولایت کی تعلیمین یا میں۔ اور بڑے بڑے عہدے حاصل کیے۔

# مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شریعت مشہور زمانہ اور مقبول عالم و فاضل

## تاریخ اور لائف وغیرہ

(۱) جنید بغدادی۔ (رسالہ شاہر اسلام کی پہلی کتاب)  
حضرت جنید بغدادی کے حالات زندگی آپ کی تعلیمیں۔ آپ کا  
قصوت اور آپ کا فلسفہ آسمانی قیمت .....  
(۲) ابو بکر شبلی۔ (رسالہ شاہر اسلام کی دوسری کتاب) حضرت  
شیخ ابو بکر شبلی کے حالات آپ کا جوش و شہادت اور آپ کا جذبہ غروش۔  
(۳) تاج محل۔ حضرت تاج محل کی مکمل سیرت تاریخ اور حیات سند  
قدیم الایام سے حکومت عریضہ کے آخر زمانہ تک کا بیان کہ فائین  
عرب نے سنہ ۱۰۰۰ میں کیا کیا۔ دو جلدیں۔

جلد اول کی قیمت .....  
جلد دوم کی قیمت .....  
(۴) حروب صلیبہ۔ صلیبی (ایران، کوئی محدثوں تک  
بیت المقدس کی حکومت کیلئے مسلمانوں اور عیسائیوں میں  
رہن۔ قیمت .....  
(۵) خواجہ حسین الدین غفاری۔ حضرت قطب الدین خواجہ  
احمدی کے مستند تاریخی حالات اور آپ کے حالات۔ ۶  
(۶) لکھنؤ نویسیہ۔ حضرت مسیح کے عہد کے قریب کی ایک  
عربی نثر حسین ملکہ کے حالات زندگی۔ قیمت .....  
(۷) انجم الرفاعیہ۔ سید شیخ احمد رفاعی کے (سی نام  
کے سر انا نکلایں رسالہ کا ترجمہ قیمت .....  
(۸) آصفی صاحب آغا علیخان بابر دکن کے حالات زندگی  
(۹) فتح القباب۔ عربیہ ترجمہ کی ترویج شرعی کے صحیح  
حدوث کے میں مولانا احمد مختار صاحب سی کا مدلل سالہ ۳۰

## تاریخی ناول

(۱۰) غیبی دان و حسن۔ بالکامن عیضہ اور قابل بی بی  
کی کہتیں اسکی حیرت انگیز غیبی دان میں کو تار و پود  
سے بچا کے ماہ راست پر لگا اور انتہائی ترقی پر پورا پورا  
نہایت عمدہ سوشل ناول قیمت .....  
(۱۱) غلیظا مولانا شہر کا سب سے تازہ تاریخی ناول۔  
وطن غازی ایشیائے عرب پہلے کلام علامہ حضرت عثمان کا دور

صاحب کی پاکیزہ و نیک نیتی شاہ ادبی فانیسٹا اور  
عبد اللہ بن زبیر نہایت اعلیٰ درجہ کا ناول .....  
(۱۲) ماہ ملک۔ مولانا شہر کا سب سے تازہ تاریخی ناول  
جس میں دولت خوری کے جوش و شہادت اور آپ کا جذبہ غروش  
خوری کے حالات اور آپ کی حیرت انگیز تاریخی حیات  
ماہ ملک کے حالات و حالات دیکھ لائے گئے ہیں حیات عام  
(۱۳) یوسف و زلیخا۔ جب یوسف بنی اسرائیل سے  
کیا موثر کہانی میری اور پھر وہی زلیخا میری

نہایت پاکیزہ ناول .....  
(۱۴) توفیق ملکہ۔ پہلی اور تاریخی تعلیمی کتاب کے حالات  
ایلیہ کے کہانی کے مستند زبان فرشتے بلوین نامہ تکب .....  
(۱۵) فتح اندلس۔ سپین و بوسکیا ملکہ جلین حاکم سبتہ  
کی بیٹی لکھنؤ تا بارہ سپین کے ہاتھ سے اسکی بے ہوشی۔  
اور نابین اسلام کی کوارٹسے اسکا انتقام قیمت .....  
(۱۶) فروغ حسن بن نہایت ہی سیرت انگیز ناول خدیجہ  
حشیشین اور ان کے سرکھ فدائی جیسے ہی لکھا اسکی کا سفر  
اور جنت کی سیرت اور ناول کا جواب کسی دوسری  
زبان میں بھی نہیں لکھا ہے قیمت .....  
.....

## دلگداز اور اتحاد کی جلدیں

(۱۷) جلد دلگداز سلسلہ ۱۔ مکمل بارہ پرچہ قیمت .....  
(۱۸) جلد دلگداز سلسلہ ۲۔ دلگداز کے وہ سب پرچہ ۵  
سلسلہ ۱۹۰۱ اور سلسلہ میں شان جوئے (مارو پرچہ) .....  
(۱۹) جلد دلگداز سلسلہ ۳۔ مکمل بارہ پرچہ قیمت .....  
(۲۰) جلد دلگداز سلسلہ ۴۔ مکمل بارہ پرچہ قیمت .....  
(۲۱) جلد دلگداز سلسلہ ۵۔ مکمل بارہ پرچہ قیمت .....  
(۲۲) جلد دلگداز سلسلہ ۶۔ بارہ پرچہ قیمت .....  
(۲۳) جلد اتحاد و بات سلسلہ ۷۔ (۲۰۰ رسالہ) قیمت .....  
الشہر۔ محمد فاروق منہجر دلگداز  
کے زین ملک خاں لکھنؤ۔













